

الفوز الکبیر

فی اصول التفسیر

اردو

ن میں قرآن مجید کی تفسیر تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بہت بصری اور بحث پرستی کی گئی ہے

تالیف

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

مترجم

مولوی رشید احمد صبا انصاری حو

ناشر

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

دلیقعد ۳۷۴م المطابق جولائی ۱۹۵۵ء

قیمت ایک روپیہ

مطبوعہ الجمعية پریس دہلی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس بندہ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اُس نے مجھ کو قرآن مجید کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت سالت پنا کے احسانات اس کترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلقین قرن اول کو فرمائی اور انہوں نے قرن ثانی تک پہنچائی اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہو کر اس خاکسار کو بھی اُسکی روایت اور دلالت سے حصہ ملا۔ اللہم صل علیٰ ہذا النبی الکریم سیدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک ائین برکاتک علی آلہ و اصحابہ و علماء امتنا جمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ابا بعد کہتا ہے فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم خدا ان دونوں سے اپنی تہربانی کے ساتھ معاملہ کرے کہ جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے خداوند تعالیٰ کی عنایت و بیغایت سے امید ہے کہ طالب علموں کو صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہ راہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے جنگی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہوتی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی اور میں نے اس

رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت ہو حبیبی و نعم الوکیل ۔

اس رسالہ کے مقاصد پانچ باب میں مختصر ہیں ۔

(۱) پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کی طرف قرآن عظیم نے صراحت کیسا تھی رہنمائی کی ہے اور گویا کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد دراصل وہی علوم پنجگانہ ہیں ۔

(۲) دوسرا باب وجوہ خفاء نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کے ساتھ ۔

(۳) تیسرا باب نظم قرآنی کے لطائف اور اسکے اسلوب بدیع کی تشریح بقدر طاقت بشری

(۴) چوتھا باب فنون تفسیر کے بیان میں ۔

بَابُ اَوَّلُ

ان علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن عظیم نے صراحت سے انکو بیان کیا ہے

جاننا چاہیے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں پانچ علوم سے باہر نہیں ہیں اول علم احکام از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام یہ احکام خواہ عبادت میں سے ہوں یا معاملات میں سے تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود نصاریٰ مشرکین اور منافقین اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے سوم علم تذکیر بالآلہ اللہ مثلاً زمین آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو انکی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز خداوند تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی ان اتعات کا بیان جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجا و فرمایا ہے مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا اور مجرموں کے لئے تعذیب و سزا پنجم علم تذکیر بموت اور اس کے

بعد کے واقعات کا بیان مثلاً حشر و نشر حساب میزان دوزخ جنت، ان علوم کی تفصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث اور آثار طحی کرنا و غلوں اور تذکروں کا کام ہی قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ اور آیات احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور علم مباحثہ کے آیات میں اقل مشہورہ مسلمہ اور خطابیات نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ ابائے متاخرین کا قاعدہ ہے نہیں کی گئی بلکہ خداوند تعالیٰ نے جس حکم کو بتدوین کیلئے جہتم با نشان سمجھا اسی کو بیان کیا، خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا مؤخر، عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصہ کیسا بھڑ بھڑایا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کے لئے سبب نزول مانا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ نزول قرآن سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے، اسلئے آیات مباحثہ کے نزول کے لئے مکلفین میں عقائد باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لئے ان میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع۔ اور آیات تذکر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ وایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے، غصاں غصاں واقعات جن کو بیان کر نیکی رحمت اٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر صرف بعض آیات میں جہاں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو کیونکہ سننے والے کے دل میں اس اشارہ سے اک گہرا انتظار پیدا ہو جائیگا جو بدون قصہ کی تفصیل معلوم کئے زائل نہ ہوگا بدینوجہ ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ غصاں غصاں (یعنی بے تعلق) واقعات کے بیان کر نیکی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

پہلی فصل

علم مباحثہ کے بیان میں

قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات ہوئے ہیں یعنی مشرکین، یوہی نصاریٰ اور منافقین۔ اور یہ مباحثے دو طرح پر واقع ہوئے ایک تو یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کر کے اور اسکی قباحت کو ظاہر فرما کر اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کر کے انکو اولہ قطعہ یا خطابیات سے حل کرتے ہیں مشرکین اپنے آپ کو ضعیف کہتے ہیں حنیف اسکو کہتے ہیں جو ملت براہیمی کا پابند اور اسکے علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کر نیوالا ہو، ملت براہیمی کی علامات یہ ہیں۔ حج کعبہ۔ استقبال کعبہ۔ غسل جنابت، ختنہ۔ اور باقی فطری خصائل اشہر حرم دشوال ذیقعدہ ذی الحجہ کی حرمت مسجد حرام کی تعظیم نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام جاننا اور عام جانوروں کا ذبح حلق میں اور انٹ کا خورلہ میں اور ذبح اور نحر سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانہ میں اور ملت براہیمی میں وضو نماز اور روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک، اور یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا۔ اور مشکلات میں انکی اعانت کرنا اور صلہ رحم شروع تھا، اور مشرکین کو یہاں ان امور کے کر نیوالے کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔ لیکن مشرکین نے عام طور پر ان امور کو ترک کر دیا تھا اور ان میں یہ خصائل کان لم یکن ہو گئے تھے اور قتل چوری زنا اور ریاء اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر ان کے یہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفس مارہ کے اشاروں پر چلتے تھے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا عقیدہ اور اس بات کا کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے اور زہد و سستی و عبادت کا مدبر اور رسولوں کے بھیجے پر قادر اور بندوں کو انکے اعمال

کی جزا دینے والا اور حوادث کو ان کے وقوع سے پیشتر معین کر نیوالا۔ اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں۔ ان کے نزدیک ثابت تھا۔ چنانچہ ان کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں، مگر جمہور مشرکین نے ان عقائد میں بہت سی ایسے شبہات کو جو کہ ان امور کے استبعاد اور ادراک کی طرف رغبت نہونے سے پیدا ہوتے تھے ہم پہنچائے تھے مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک اور تشبیہ اور تحریف کے قائل اور معاد کے منکر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید از قیاس کہتے اور اعمال قبیحہ اور منظام علانیہ کرتے اور نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرتے اور عبادات کو مٹاتے تھے۔

شرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ کیساتھ مختص ہوں مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جسکو کُنْ فیکُونْ سے تعبیر کرتے ہیں یا علم ذاتی جسکا اکتساب نہ حواس کے ذریعہ سے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اسے ناراض ہونا جسکے باعث سے اسکو تنگدستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں۔ یا رحمت بھیجنا جس سے اسکو فراخ دستی و تندرستی اور سعادت حاصل ہو مشرکین بھی جو اہل عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی میں اسکے روکنے کی قدرت نہیں ہی بلکہ ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربانِ خاں کو ملک کے مختلف حصوں کا فرمانِ دا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرتے ہیں جنتک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہو ان کو مختار بنا دیتے ہیں اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو حکام کے سپرد کر دیتے ہیں اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور

متوسلین کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔ ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو رتبہ اُلُوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے اور ایسے لوگوں کی رضامندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے اس لئے وہ ان بندگان خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور جزاء اعمال کے وقت ان کے حق میں شفاعت درجہ مقبولیت حاصل کرے۔ اور ان خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ انکو سجدہ کرنا اور ان کیلئے قربانی کرنا اور ان کے نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں انکی قدرت کن فیکون سمدد لینا جائز سمجھتے تھے اور پتھر پتیل اور سیسہ وغیرہ کی موتیں بنا کر ان (بنندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جہلائے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور خلطِ عظیم واقع ہوا۔

اور تشبیہ سے مراد یہ صفات بشریہ کو ذات پاک کے لئے ثابت کرنا چنانچہ مشرکین ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں بتلاتے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے بندوں کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اگرچہ اسکی مرہنی کے خلاف ہو جیسا کہ بادشاہ بڑے بڑے امرار دولت کی نسبت گاہ گاہ کیا کرتے ہیں اور چونکہ ایسے علم و سمع و بصر کا ادراک جو کہ شان الوہیت کے لائق ہوا ان کے ذہن میں نہ آسکتا تھا اس لئے انہوں نے اسکو بھی اپنے علم و سمع و بصر پر قیاس کر لیا اور خدا تعالیٰ کی جسمیت اور جز کے قائل ہو گئے۔ اور تحریف کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے بزرگوار دادا کی شریعت پر برابر قائم چلے آئے تھے حتیٰ کہ عربین محی النبیہ اللہ علیہ نے پیدا ہو کر ان کیلئے بت بنائے اور انکی عبادت کو لازم قرار دیا اور بحیرہ

لہ دیکھو سیرۃ ابن ہشام جلد اول ۱۲ مترجم۔

۱۵ بحر عربی زبان میں کان چھدنے کو کہتے ہیں۔ اور بحیرہ سے وہ اونٹنی مراد ہے جو پانچ بچے جن چکی ہو۔ پانچواں بچہ اگر نہ ہو تو اس کو ذبح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتیں سمیں شریک نہ ہوتی تھیں اور وہ بچہ مادہ ہوتا تو اس اونٹنی کا کان کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے ۱۶ مترجم۔

اور یہ جہلار بالعموم اپنے آبار و اجداد کے آثار سے استدلال کرتے اور اسکو اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے انبیاء سابقین نے بھی اگرچہ حشر و نشر کے احوال بیان فرمائے ہیں لیکن نہ اس شرح و بسط سے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اسلئے جہو مشرکین ان مزید حقائق پر مطلع نہ تھے بلکہ انکو فہم سے بعید جانتے تھے اس جماعت کو اگرچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی اعتراف تھا لیکن صفات بشری (جو انبیاء میں ہیں) انکے جمال بالکمال کیلئے حجاب ہیں انکو مشوش کر دیتی تھیں اور وہ اس تدبیر الہی کی حقیقت سے جو بعثت انبیاء کے لئے مقتضی ہے نا اشارہ کر کار رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول کو مرسل یعنی اسکے بھیجنے والے کیساتھ ماثل جانتے تھے (چنانچہ) وہ اس باب میں الہی اور ناقابل سماعت شہادت پیش کرتے تھے مثلاً وہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے اور پینے کا محتاج ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا وجہ جو فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجا اور کیا وجہ کہ ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجا علیٰ هذا نقیاس ایسے ہی اور شہادت اور اگر تم کو مشرکین کے عقائد اور اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم

۱۵ سائبہ سے مراد وہ مویشی ہے جس کو اہل جاہلیت بتوں کی نذر کر کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس سے اون حاصل کرتے ۱۲ مترجم

۱۶ حایم سے مراد وہ نر ادنٹ ہے جس کو مثل سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے نہ اس سے اون حاصل کرتے اور کسی چراگاہ یا حوض سے اس کو نہ روکتے تھے ۱۲ مترجم

کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہیے کہ اس زمانہ کے تحریف کر نیوالوں کو علی الخصوص جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ انہوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور کہ تحریف اور تشبیہ نے کس قدر ان میں رواج پکڑا ہے حتیٰ کہ مواقف حدیث صحیحہ و مستحکم سے من قبل ان آفات میں سے کوئی بھی نہ رہی جس پر آج کوئی نہ کوئی جماعت کار بند اور اسکے مانند دیگر امور کی معتقد نہ ہو اعاذنا اللہ سبحانہ عن ذلک۔

بالجملہ خدا تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث کیا اور آپ کو ملتہ حنیفیہ کے قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ اور قرآن مجید میں چہلار عرب کیساتھ متناہی کیا اور مباحثات میں ان کے مسلمات سے جو ملتہ حنیفیہ کی بقایا تھے استدلال کیا تاکہ الزام ان پر پوری طرح ثابت ہو جائے اور شرک کا جواب، اول تو ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کرنا اور تقلید آباء کے استدلال کو توڑنا ہے اور دوسرے ان بندگان خاص کا خدا کے برابر نہ ہونا۔ اور خدا تعالیٰ کا برخلاف ان بندگان خاص کے انتہائی مرتب تعظیم کیلئے مستحق ہونا۔ اور بیسے تمام انبیاء کا اس مسئلہ پر اجماع و ما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليه انه لا اله الا انا فاعبدون۔ اور چوتھے بتوں کے عبادت کی خرابی اور پتھروں کے مرتبہ انسانی سے بھی گریے ہوئے ہونے کا بیان اور مرتبہ الوہیت کا تو ذکر ہی کیا ہے اور یہ جواب خالص ان اقوام کے مقابلہ میں دیا گیا ہے جو بتوں کو بالذات معبود خیال کرتے ہیں اور تشبیہ کا جواب اولاً تو اس پر دلیل کا مطالبہ، اور استدلال

۵۱ تم سے پیشتر ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ سوائے میرے کوئی سجدہ نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

تقلید آباء کو توڑنا۔ اور دوسرے یہ کہ اولاد کا اپنے باپ کیساتھ، بچنس ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔ اور تیسرے ایسے امور کو جن کو وہ اپنے نزدیک مکر وہ اور مذموم خیال کرتے ہیں حق تعالیٰ کیلئے ثابت ماننے کی قباحت کا بیان (الرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَكَلَّمَ الْبَنُونَ) اور یہ جواب غاں ایسے اقوام کیلئے دیا گیا ہے جو مشہورات اور متوہمات شعری کو تسلیم کر نیکے خوگر تھے اور جن کی بڑی تعداد کی یہی حالت تھی اور تحریف کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مذہب کے یہ معانی مذکور نہیں ہیں اور نیز یہ ایسے لوگوں کی اختراعات اور جدت پسندیاں ہیں جو معصوم نہ تھے اور حشر و نشر کے مستبعد ہونے کا جواب اولاً تو زمین غیرہ کے حیوۃ پر قیاس۔ اور مدار حشر و نشر کی تنقیح ہے جو کسی شے کا فقط تحت قدرت اور ممکن الاغادہ ہونا ہے۔ اور دوسرا ان امور کی خبر دینے میں اہل کتاب کی موافقت ہے۔ اور استبعاد رسالت کا جواب انبیاء سے سابقین میں بھی

ہو چکا ہے: "وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیہم" و یقول الذین کفروا لست مرسلًا قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب" اور دوسرا ان کے استبعاد کو یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہاں پر رسالت سے مراد فقط وحی ہے۔ قل انما ابشر بشکم یوحی الی اور وحی ایسی شے ہو جو محال نہیں ہو و اما کان لبشر ان یکلم اللہ الخ اور تیسرے یہ بیان کر دینا کہ ان معجزات کا ظاہر ہونا جن کی وہ ہند کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا ایسے شخص کو نبی مبین کرنے میں انکی موافقت کرنا جس کی پیغمبری کے وہ خواہشمند ہیں، یا فرشتہ کو پیغمبر بنانا یا کہ کسی پر وحی

۱۵ کیا تیرے پروردگار کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے۔

۱۶ کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم اس کے جواب میں کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے اور جس کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہے۔ ۱۲

۱۷ اے پیغمبر کہہ دو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۱۲۔

۱۸ کسی انسان کی یہ مقدور نہیں کہ خدا اس کے ساتھ کلام کرے مگر بطور وحی کے ۱۲۔

نازل نہ کرنا ایک ایسی کلی مصلحت کی بنا پر جس کے ادراک سے ان لوگوں کا علم و فہم قاصر ہے اور چونکہ مکلفین اکثر مشرک تھے اسلئے ان مضامین کو بہت سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت تاکیدات کیساتھ ثابت فرمایا اور ان باتوں کے بار بار اعادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی، لاریب حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کیلئے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اور ان بے عقلوں کے مقابلے میں انہیں شدید تاکیدات کی ضرورت تھی۔ ذلک تقدیر العزیز العظیم اور یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے اور انکی بے راہی احکام توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی۔ اور نیز بعض آیات کو چھپانا، اور یہ افتراء داذی کہ جو احکام اس میں نہ تھے انہیں ملانا اور نیز ان احکام کی پابندی و اجرا میں تساہل، اور تعصب مذہبی میں شدت، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں تاہل۔ اور بے ادبی اور طعنہ زنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خدا تعالیٰ کی شان میں اور ان کا بخل و حرص میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ یہودی تحریف لفظی توریت کے ترجمہ غیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں، کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے اور ابن عباس کا بھی یہی قول ہے اور تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے یعنی سببہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کہ کسی آیت کو اس کے اصل معنی کے خلاف پر حمل کرنا، اور اسکی ایک مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں درمیان فاسق و یندار اور کافر منکر مذہب کے فرق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کافر کیلئے ثابت مانا گیا ہے کہ وہ عذاب شدید میں ہمیشہ مبتلا رہیگا، اور فاسق کیلئے جائز رکھا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے دوزخ میں نہ نکالا جائیگا۔ اور اس آخری حکم کے اثبات کے وقت ہر ایک مذہب نے اپنے پیر کے نام کی تصریح کی ہے مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو یہ مرتبہ بخشا گیا ہے، اور انجیل میں نصرانی کو۔ اور قرآن

مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہے اس حکم کا مدار فقط خدا تعالیٰ اور محشر پر ایمان لانے اور اس رسول کی جو ان میں مبعوث کیا گیا ہو تابعداری اور مشروعات مذہبی پر عمل کرنے اور تنہیات سے اجتناب کرنے پر ہے اور ہرگز کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں لیکن بایں ہمہ یہودیوں کا گمان ہے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہو گا وہ ضرور جنتی ہو گا اور شفاعت انبیاء کو دوزخ سے نجات دیگی حتیٰ کہ چند روز کے سوا وہ دوزخ میں نہ رہ سکیں گے گو مدار حکم کا وجود نہ ہو اور گو خدا تعالیٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہ ہو اور آخرت اور رسالت پر ایمان کا ان کو کچھ بھی ادراک نہ ہو۔ حالانکہ یہ محض غلط اور خالص جہالت ہے۔

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور ان کے اشکالات کو دوا شرکات کرنا والا ہے اس لئے اس نے اس گروہ کو بھی پوری طرح کھول دیا ہے۔ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔

مثال ثانی ہر مذہب میں اس زمانہ کے مصالِح پر نظر کر کے احکام بھیجے گئے ہیں اور تشریح یعنی شریعت کا قانون بنانے میں اقسام کی عادت کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور تنہا تاکید کیساتھ ان کے اتباع اور ان پر ہمیشہ عمل کرنے کا عقیدہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور انہیں میں دائمی طور پر انحصار حق فرمایا ہے۔ لیکن اس سے صرف یہ غرض ہے کہ فقط اس زمانہ میں ان اعمال میں حق منحصر ہے۔ غرض کہ دوام ظاہری مراد ہے نہ کہ دوام حقیقی یعنی مراد یہ تھی کہ تا وقتیکہ دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اور اسکے چہرہ نبوت سے پردہ خفانہ اٹھ جائے، یہ احکام واجب العمل رہیں گے مگر انہوں نے اس ظاہری دوام سے سمجھا کہ گویا یہ نبوت ناقابل نسخ ہے اور درحقیقت یہودیت کے اتباع کی وصیت کے یہ معنی تھے کہ ایمان آور نیک اعمال کا الزام

۱۵ ہاں جس نے بدی کمائی اور اس کی خطاؤں نے اس کو گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی

ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ۱۳

کیا جاوے۔ اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کر کے غلطی سے یہ گمان کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہے۔

مثال ثالث خدا تعالیٰ نے ہر ایک ملت میں انبیاء اور ان کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا اور منکرین کو صفات مبغوضہ سے یاد فرمایا ہے۔ اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر ایک قوم میں شائع تھا۔ تو اگر محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں اس سے یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ عزت صرف یہودی اور عبری اور اسرائیلی کے ناموں کیساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع اور خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور ایسی ہی بہت سی تاویلات فاسدانکے قلوب میں راسخ ہو گئی تھیں جن کو وہ اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آئے تھے قرآن مجید ان شبہات کو پوری طرح رفع کر دیا۔

کمان آیات کی یہ صورت تھی کہ بعض احکام اور آیات کو کسی ذی عزت اور شریف کے اعزاز کی حفاظت یا کسی ریاست کے حاصل کرنے کی غرض سے پوشیدہ کر دیتے تھے کہ عوام کا اعتقاد ان سے زائل نہ ہو جائے اور یہ لوگ اس پر عمل ترک کر دینے سے نشانہ ملامت نہ بن سکیں۔ مثلاً زانی کو سنگ سار کر نیکا حکم تو ریت میں مذکور تھا۔ مگر ان لوگوں نے اس وجہ سے کہ ان کے تمام علماء نے رجم کو موقوف کر کے اسکی جگہ پڑتے مارنا اور منہ کالا کر دینا تجویز کر رکھا تھا اس حکم کو ترک کر دیا اور رسوائی کے خوف سے اسکو چھپا لیا تھا یا مثلاً جن آیتوں میں حضرت ہاجرہ و اسمعیل علیہما السلام کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور جن میں اشارہ ہر ایک ایسے مذہب کی جانب جو سرزمین حجاز میں کابل اشاعت پائے گا۔ اور اس کے

سبب سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لبیک سے گونج اٹھیں گی اور تمام اقلیموں کے لوگ اس مقام کی زیارت کا قصد کریں گے باوجودیکہ یہ آئینیں توریت میں اب تک موجود ہیں یہودی ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو فقط اس مذہب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اسکے اتباع کا امر کہاں ہے۔ اور یہ مقولہ اُنکے زبان زد تھا **الحیۃ کتبت علینا** لیکن چونکہ اس ریکٹ تاویل کو کوئی نہ سُننا تھا اور نہ کسی کے نزدیک یہ صحیح تھی۔ اس لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس راز کے اخفار کی وصیت کرتے اور ہر کس کے ناکس کے روبرو اسکا اظہار نہ کرتے تھے۔ **استخوذہم بما فتح اللہ علیکم** لیجا جو کم بہ عند ربکم۔

افسوس یہودی کس بلا کے جاہل تھے، کیا خدا تعالیٰ کا ہاجرہ و **سبعیل علیہا السلام** پر اس مبالغہ کیساتھ احسان رکھنا کوئی دوسرے معنی بھی رکھتا ہے جن پر ان آیات کو حمل کر کے یہ کہہ سکیں کہ ان سے اس مذہب کے اتباع کی تحریم نہیں نکلتی سبحانک ہذا فک عظیم افتر اس کا سبب وہ بچہ تشدد ہے جس نے انکے علماء اور مشائخ کے اطوار میں راہ پالی تھی اور استحسان یعنی بدون شائع کی تصریح کے بعض احکام کا صرف اس لئے کہ ان میں کوئی مصلحت، استنباط کرنا۔ اور ان یہودہ استنباطات کو اول رواج دینا۔ اور پھر ان کو اہل کتاب میں ملا دینا اور اپنے سلف کے اتفاق کو دلیل قطعی خیال کرنا خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر انکے یہاں سوائے اقوال سلف کے اور کوئی دلیل نہ تھی۔ علیٰ ہذا دوسرے بہت سے احکام ہیں مگر احکام توریت میں سہل انکاری اور

۱۵ ملحقہ معنی جنگ۔ یہود کہتے تھے کہ مسلمان جو ہم پر غالب آ رہے ہیں تو ہم پر کفار یعنی غیر یہود کا غلبہ ہونا خود توریت میں لکھا ہے۔ ۱۲ مترجم۔

۱۶ کیا جو کچھ خدا نے تم پر توریت میں ظاہر کیا ہے اس کی خبر تم مسلمانوں کو کئے دیتے ہو کہ تمہارے پروردگار کے روبرو اسی بات کی سند پکڑ کر تم سے جھگڑا کریں۔ ۱۲۔

بخل اور حرص کا ارتکاب صاف ظاہر ہے کہ یہ سب نفسِ نارہ کے اقتضائات ہیں نفسِ نارہ بلاشبہ ہر شخص پر غالب ہے۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ النِّفْسَ لَآ مَارَاقَةٌ بالسورۃ الامارحم ربی۔ مگر اس مصلحت نے اہل کتاب میں دوسرا ہی رنگ چڑھایا تھا یعنی وہ اپنے استنباطات کی تصریح میں تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے بڑا زور لگاتے تھے اور اس کو شریعت کے منگ میں ظاہر کرتے تھے۔

استبعاد رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا سبب بھی اختلاف ہے جو انبیاء علیہم السلام کی عادات اور احوال میں پایا جاتا ہے مثلاً نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں فرق، اور اسی کے مثل اور باتیں، اور ان کے شرائع کا باہم اختلاف، اور معاملات انبیاء میں سنتہ اللہ کا اختلاف، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمانا حالانکہ اب تک جمہور انبیاء بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور عادات اور عبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہے وہ نیکی اور بدی کے اصول کو ایجاد کا منصب نہیں رکھتی قاعدہ کی بات ہے کہ ہر ایک قوم اپنی عبادات، تدبیر منزل، اور سیاست مدنی میں خالص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اگر نبوت اس قوم میں آئے تو وہ انکی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کے بجائے جدید اصول قائم نہ کریں بلکہ اسکا یہ کام ہوگا کہ وہ ان خصائل کو باہم متمیز کرے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں انکو جاری رہنے دے اور جو اسکے مخالف ہوں ان میں بقدر ضرورت تغیرات کرے۔

اور تذکیر بالآلاء اللہ اور تذکیر باباۓ اللہ بھی اسی اسلوب پر کی جاتی ہے جو انکے یہاں شائع ہوا اور جس سے وہ مانوس ہوں یہی نکتہ ہے جسکے باعث انبیاء کی شریعتیں باہم

مختلف ہو گئی ہیں۔ اور اس اختلاف کی مثال اس طبیب کے اختلاف علاج کے اندر ہے جبکہ وہ دو مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے، ان میں سے ایک کیلئے تو سرد دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے۔ اور دوسرے کی واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں جگہ متحد ہے۔ یعنی طبیعت کی اصلاح و ازالہ مرض کے سوا اسکو اور کچھ منظور نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں اور غذائیں الگ الگ تجویز کرتا ہے اور ہر فصل موسم میں اس کے مقتضائے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے۔ اسید طرح جب حکیم حقیقی نے بیمار ان امراض نفسانی کا معالجہ کرنا چاہا انکی تقویت طبع اور تقویت منکہ اور ازالہ مفاہد اسکو منظور ہوا تو ان اقوام اور انکی عادت کے اختلاف کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات و مسلمات کی وجہ سے معالجات مختلف ہو گیا۔

غرض کہ اگر تم اس امت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سو کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلام کی تقلید کے خوگر اور کتاب سنت سے روگردانی کرنے والے ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا ان کے بے اصل استنباط کو سند ٹھیرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور فائدہ تاویلوں کو اپنا مقتدا بنا کر کہا ہے۔

نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ان کی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے خدائے تبارک تعالیٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجوہ سے متغایم اور بعض وجوہ سے متحد ہوں ان حصوں کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے تھے یعنی ایک اقنوم باپ جو ان کے نزدیک مبداءیت عالم کے ہم معنی تھا۔ اور ایک اقنوم بیٹا جو بمعنی صادر اول تھا جو ایک امر عام اور تمام موجودات میں شامل۔ اور ایک اقنوم روح القدس تھا جو عقول مجسورہ کے ہم معنی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابجد نے حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا۔ یعنی جیسا کہ تیسریں علیہ السلام آدمی کی

شکل میں آتے تھے ایسے ہی ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظہور کیا تھا اس لئے عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں۔ اور ابن اللہ بھی اور بشر بھی، اور اسی لئے احکامات بشری اور خداوندی دونوں ان کی نسبت جاری ہوتے ہیں اور اس عجیب عقیدہ میں انکا تکیہ انجیل کی بعض ایسی آیتوں پر ہے جن میں لفظ ابن مذکور ہوا ہے اور جن میں حضرت مسیح نے بعض افعال الہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی تحریف شدہ نہیں ہے یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ ابن مقرب اور محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا۔ چنانچہ اس دعوے پر کثرت سے قرآن انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل و حکایت ہی مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا فلاں قلعہ توڑا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ وقت نہیں کہتا اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالم بالا سے ان کے لوح دل پر مضامین خود نقش ہو جاتے ہوں اور حضرت جبریل علیہ السلام صورت انسانی میں آکر کلام القانہ فرمادی ہوں اس لئے اس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوگا جس میں افعال الہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہوگا الحقیقۃ غیر خفیہ بالجمہ خدا تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا۔ اور کہا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ۔ اور اس کی وہ پاک روح ہے جس کو اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا۔ اور اس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور نیز خاص عنایتیں اس پر رکھیں۔ اور بالفرض اگر خدا تعالیٰ ایسی روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہے آیا ہو اور بشریت کا لباس اختیار کیا ہو۔ اور ہم اچھی طرح اس نسبت کو واشگاف کریں تو لفظ اتحاد اس وقت ہرگز مستعمل نہ ہو سکیگا مگر بتسامح بلکہ الفاظ تقیوم وغیرہ ان معنی کے قریب تر ہیں۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً

اگر اس گروہ کا نمونہ اپنی قوم میں دیکھنا چاہو تو آج اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو دیکھ لو۔ کہ وہ اپنے آباء کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور ان کو کہاں تک طویل دیا ہے وسیع علم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (اور بہت جلد جانیں گے وہ لوگ کہ ظلم کرتے ہیں کو نسی پھرنے کی جگہ پھر جائیں گے)۔

اور نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہو گئے ہیں حالانکہ فی الواقع ان کے قتل کے واقعہ میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا، جس سے انہوں نے آسمان پر اٹھائے جانے کو قتل سمجھ لیا اور نسل بعد نسل اس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے، خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس مشبہ کا ازالہ فرمایا۔ وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم اور انجیل میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے اس سے مراد یہودیوں کی دلیری اور ان کے اقدام قتل کی خبر دینا ہے باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اس سانحہ سے انکو نجات عطا فرمائی، اور جو کہ حواریین کا مقولہ مذکور ہے اسکا منشا یہ ہے کہ ان کو اشتباہ ہو گیا اور رفع کی حقیقت پر ان کو اطلاع نہ تھی جس سے کہ ان کے ذہن اور ان کے کان اب تک مانوس نہ تھے۔ اور نیز ان کی ضلالت میں سے ایک یا مز بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط موعود سے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ - ۱۸)

۱۵۔ مقوم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری چیز قائم ہو۔ جیسا کہ ہر عرض کا مقوم ہے یا طلسم کا غنڈہ کی شفا کا مقوم ہو، عام غلطی یہ ہے کہ تقویم کو جو ہر وعدہ کی نسبت میں منحصر کر دیا ہے اور چونکہ جو ہر وعدہ میں ایک طرح کا اتحاد ہے اسلئے تقویم کو اتحاد سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ طلسم اپنے تماشہ کو بالکل متاثر علیحدہ ہوتا ہے اور نسبت تقویم ہی کی ہے اگر اسکو بھی اتحاد ہی کہا جائے تو پھر کوئی چیز علیحدہ ہی نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی نسبت آفر پائی ہی جائے گی۔ ۱۲۔ ۱۵۔ حال یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو نہ قتل کیا اور سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ انکو ایسا ہی معلوم ہوا۔ ۱۳۔

وہ عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو قتل ہو جانیکے بعد اپنے حواریین کے پاس آئے اور ان کو انجیل کے کمال اتباع کی وصیت فرمائی۔ اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے بعد مدعیان نبوت بکثرت ہونگے لیکن ان میں جو شخص میرا نام لے اسکی تصدیق کرنا ورنہ نہیں، قرآن شریف سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت پر کیونکہ انجیل میں کہا گیا ہے کہ فارقلیط تم میں سے دراز تک ہر علم سکھا دے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کرے گا۔ اور یہ بات ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے ظاہر نہیں ہوئی۔ باقی عیسیٰ علیہ السلام کا نام اختیار کرنا اس سے مراد ہے کہ انکے نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے منافقین دو قسم کے تھے ایک وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر ان کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا اور کفر و جحود ان کے دل میں چھپے ہوئے تھے ایسے لوگوں کے حق میں فی الذکر الاسفل من النار فرمایا دو سرگروہ جس نے اسلام قبول کیا مگر ان کا ایمان ضعیف تھا مثلاً وہ اپنی قومی خصائل و عادات کے پابند تھے اگر وہ مسلمان ہوں تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں اور وہ کافر رہے تو یہ بھی کافر رہتے ہیں اور یا مثلاً دنیاوی لذت کا اتباع ان کے قلوب میں بھر گیا ہے کہ اس نے خدا اور اس کے رسول کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں باقی رہنے دی۔ یا حرص مال اور حسد و کینہ وغیرہ انکے دلوں پر اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اس نے ان کے دلوں میں مناجات کی حلاوت اور عبادت کی برکات کے لئے جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ اور یا مثلاً امور دنیا میں ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ انکو معاد کی امید اور اس کے لئے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی، اور یا مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نسبت یہودہ خیال اور رکیک شبہات انکے

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نفاق کی پہلی صورت کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجملہ علم غیبی ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کے مخفی خیالات کی اطلاع نہیں ہو سکتی، اور نفاق ثانی کثرت سے پایا جاتا ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں اور حدیث میں جو علامات مذکور ہیں وہ اسی نفاق کی جانب اشارہ ہے۔ "ثُلُثٌ مِّنْ كُنْ فِيْهِ كَانْ مِّنَافِقًا خَالِصًا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَالَصَ مَخْبِرٌ وَهُمْ الْمَنَافِقُ بَطْنٌ مِّنْ الْمُؤْمِنِ فَرَسٌ" الی غیر ذلک من الاحادیث۔ خدا تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکار کیا ہے اور ان ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ تمام اُمت ان سے احتراز کرے اگر تم کو ان منافقین کے نمونہ کے دیکھنے کا شوق ہو تو امرار کی مجالس میں جا کر انکے مصائب کو دیکھ لو جو امرار کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور

۱۵ تین فصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ خالص منافع ہوگا جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو لگائی دے۔

۵۲ منافق صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔
~*~*~*~

انصاف کی رو سے ایسے منافقین میں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سنکر نفاق اختیار کیا اور ان میں جواب پیدا ہوئے مگر انہوں نے یقینی ذرائع سے احکام شائع کی اطلاع پا کر مخالفت اختیار کی کوئی فرق نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس معقولوں کی وہ جماعت بھی جن کے دلوں میں بہت سے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور جنہوں نے معاد کو نسیا کر دیا ہے گروہ منافقین میں داخل ہے۔

بالجملہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اس میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر چکی۔ بلکہ بمصادیق حدیث لتتبع سنن من قبلکم زمانہ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اس کا نمونہ آج بھی موجود ہے اسلئے مقصود اصلی ان مقاصد کیلئے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات یہ تقریر ہے جو اس کتاب کیلئے ان گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور ان کے جوابات میں، مجھ سے ہو سکی اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیات مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ

فصل دوم

باقی علوم پنجگانہ کے مباحث میں

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کیلئے خواہ عربی ہوں یا عجمی شہری ہوں یا بدوی ہوا ہے، بدینوجہ حکمت الہی اس امر کو متقنی ہوئی کہ تذکیر بالاراللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان نہ کرے اور زیادہ بحث اور تحقیق سے کام نہ لے، اور اسمار اور صفات الہی کو ایسے سہل طریقہ سے بیان فرمایا کہ افراد انسانی بغیر مہارت حکمت الہی۔ اور بدون مزاولت علم کلام کے صرف

اس فہم و ادراک کے ذریعہ سے جو اصل فطرت میں نکو عطا ہوا ہے بخوبی سمجھ سکیں پس ذات
 مہد (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا۔ کیونکہ اسکا علم تمام افراد بنی آدم کی فطرت میں ساری ہے
 اور معتدل اور قریب باعتدال ممالک میں بنی آدم کا کوئی گروہ تم ایسا نہ پاؤ گے جو اسکا
 منکر ہو اور چونکہ صفات الہیہ کا اثبات بطریقہ تحقیق حقائق۔ اور امعان نظر ان کے لئے
 محال تھا۔ اور اگر وہ صفات الہیہ پر بالکل طلاع نہ پاتے تو معرفت بوبیت جو ہمارے
 نفوس کی تہذیب کے لئے سب سے زیادہ سو مند شے ہے نہ حاصل ہو سکتی اس لئے حکمت باری
 مقتضی ہوئی کہ ان بشری صفات کاملہ میں سے جنکو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے نزدیک
 قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں چند صفات کا انتخاب کیا جائے اور ان کو ایسے دقیق معانی
 کے بجائے استعمال کیا جائے جنکی عظمت اور جلال کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی
 نہیں ہو سکتی اور ایسے کچھ شے کو جہل مرکب کے سخت اور مزمن مرض کیلئے تریاق مقرر کیا
 جائے، اور جن بشری صفات کے ذات الہی کیلئے ثابت کرنے سے اوہام کی طغیانی
 عقائد باطلہ کی جانب ہوتی ہے مثلاً اثبات دل و گریہ و زاری و جرز و ذرغ ان سے منع
 فرمایا۔ اگر آپ زیادہ غور و خوض کریں گے تو معلوم ہو گا کہ انسان کیلئے اپنے فطری اور
 غیر مکتسب علوم کی شاہراہ پر قدم زن ہونا اور ان صفات کو جن کا اثبات کیا جاسکتا ہو اور
 ان سے کوئی خلل نہیں آتا۔ ان صفات سے تمیز کرنا جن سے اوہام باطلہ کی طغیانی ہوتی
 ہے ایک نہایت دقیق امر ہے جسکی تہ کو عوام کے ذہن نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے یہ علم یعنی علم
 ذات صفات تو یقینی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث و گفتگو کی اجازت اسباب میں
 نہیں دی گئی۔

اور آلاء اللہ اور آیات قدرت میں جو صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو شہری
 بدوی اور عرب و عجم یکساں طور پر سمجھ سکیں، لہذا انسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے
 ساتھ مخصوص ہیں اور اتفاقی لذتیں جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں انہیں کی گئیں

بنا بریں جن نعمتوں کا ذکر مناسب تھا یہ ہیں مثلاً آسمان زمین کی پیدائش بادلوں سے
 پانی برسانا اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کی پھل پھول
 اور غلے اگانا اور ضروری صنعتوں کا الہام اور پھران کے جاری کر نیکی قدرت بخشنا، اور
 اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور انکے دور ہونے کے وقت لوگوں کے ذبیہ کے بدل
 جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہ فرمائی ہے، اس لئے کہ یہ امراض نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے۔
 اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً انسان
 برداروں کیلئے انعام، اور نافرمانوں کیلئے عذاب ان میں سے ایسی جزئیات کو اختیار
 فرمایا کہ جو پیشتر سے ان کے گوش زد ہو چکی تھیں، اور وہ اجمالی طریقہ ذکر کا تذکرہ سن
 چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے
 اور حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے بوجہ یہود اور عرب کے
 قرن ہا قرن کے اختلاف کے انکے کان آشنا تھے نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان
 کیا اور نہ فارس و یونان کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے
 بھی صرف ان ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کارآمد ہوں ذکر فرمایا ہے اور تمام قصوں کو
 ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ
 عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام
 خصوصیات کیساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو ان کی طبیعت محض اس
 داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کر نیکی
 اصل غرض ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی غارت نے کہا ہے
 جیسے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کیساتھ تلاوت قرآن مجید سے محروم
 ہو گئے اور جب سے مفسرین نے بعید و جودہ میں موشگافی کی ہے علم
 تفسیر النادر کا معدوم ہو گیا ہے۔

جو قصے قرآن مجید میں بہ تکرار بیان ہوئے ہیں یہ ہیں۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین پر۔ اُن کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا، شیطان کا اس سے انکار کر کے ملعون ہونا اور اسکے بعد سے بنی آدم کے اغوا میں سہی کرنا۔ حضرت نوح۔ حضرت ہود۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت شعیبؑ کا اپنی اپنی اقوام سے توحید اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مباحثات کرنا۔ اور اُن اقوام کی سرکشی، اور رکیک مشہرات اور پیغمبروں کے جوابات، اشقیاء پر عذاب الہی کا نزول اور خداوندی نصرت کا ظہور۔ انبیاء اور ان کے پیروں کے حق میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے فرعون اور بنی اسرائیل کے نادانوں پر۔ اور ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مکابہ کیساتھ پیش آنا۔ خدا تعالیٰ کا ایک عرصہ تک اُن بدبختوں کو عقوبت میں مبتلا رکھنا اور یہم ان برگزیدہ حق تعالیٰ کے حق میں ظہور نصرت خداوندی ہونا، حضرت سلیمان د حضرت داؤد علیہما السلام کا قصہ خلافت اور اُن کے معجزات اور کرامتوں کا احوال۔ حضرت ایوب و حضرت یونس علیہما السلام کی شفقت کا واقعہ اور ان پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر۔ دعا حضرت زکریا کا مستجاب ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب عجیب قصے، ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، اور گہوارہ میں کلام فرمانا، اور ان سے خود ان عادات کا ظہور یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضا کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔

اور جو واقعات فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں۔ یہ ہیں۔ حضرت ادیس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمود سے مناظرہ اور پرندہ کو زندہ کرتے دیکھنا۔ اور اپنے فرزند اسماعیلؑ کو ذبح کرنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، انکو دریا میں ڈال دینا۔ ان کا

ایک قبیلے کو قتل کرنا۔ اور پھر مدینہ کو فراری، وہاں جا کر نکاح کرنا، اور وہاں سے اسی میں ایک درخت پر آگ کو روشن دیکھنا اور اس سے باتیں سُنتا، اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے کا قصہ۔ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا۔ اور طابوت و جالوت اور بلقیس اور ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے قصص اور ان دس شخصوں کا قصہ جنہوں نے باہم نزاع کیا تھا، اور اصحابِ جنت کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین رسوکیوں کا قصہ اور اس مومن کا قصہ جس کو کفار نے شہید کیا تھا۔ اور اصحابِ فیل کا واقعہ پس ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات کو آگاہی حاصل ہو جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہنِ شرک اور معاصی کی برائی کی جانب منتقل ہوں، اور وہ کفار پر عذابِ خداوندی کا، اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا اور اک کریں۔

اور موت اور اس کے بعد کے واقعات میں سے یہ امور بیان فرمائے۔ انسانی موت کی کیفیت، اور اس وقت اس کی بیچارگی کا عالم اور بعد موت کے جنت و دوزخ کو سامنے کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا آنا۔ اور علاماتِ قیامت جو بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور، اور صور فغا۔ اور صورِ حشر و نشر اور سوال و جواب اور میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں لینا، اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا اور دوزخیوں میں پیشواؤں اور مقلدوں کا باہمی تکرار۔ اور ایک دوسرے کا راہ مارنے سے انکار۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا اور مومنین کا

۱۵ دَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اِنَّا كُنْزُكَ مَالًا وَاَعْرِضْ لَنَا (سورہ کہف)

۱۶ اِنَّا بِلِزَامِهِمْ كَا بِلُونَا اصْحَابُ الْجَنَّةِ (سورہ نون) ۱۷ سورہ یسین

دیدار خداوندی کے شرف سے مختص ہونا۔ اور عذاب کی نوعیتوں کی تعداد کہ وہ بیاریاں طبع کھولت ہو اگر گرم پانی، غساق اور زقوم ہو اور نعمتہائے جنت کی انواع کہ وہ حوران بہشتی اور عالیشان قصر اور آب سرد و شیریں وغیرہ کی ہنریں۔ اور نہایت خوشگوار کھانے اور لباسہائے فاخرہ اور خوش جمال عورتیں اور جنتیوں کی باہمی دلکش صحبتیں ہیں ان قصوں کو مختلف صورتوں میں ان کے اسلوب کے اقتضائے حسب حال اجمالاً یا تفصیلاً متفرق طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

مباحث احکام کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفی (ابراہیمی) پر مبعوث ہوئے ہیں اسلئے اس ملت کے طریقوں کا باقی رکھنا ضروری ہے، تاکہ اسکے اہمات مسائل میں سوا تخصیص تعلیمات اور اوقات محدود کی کی زیادتی وغیرہ کے اور کسی قسم کے تغیرات کا گزر نہ ہو سکے۔ اور چونکہ عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور باقی تمام اقوام کو عربوں کے ہاتھ سے پاک کر نیکارا رہ فرمایا ہو اسلئے ضروری ہوا کہ شریعت محمدی کا مواد انہیں کی رسوم و عادات کو لیا جائے اگر کوئی شخص ملت حنیفی کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم و عادات نہ سمجھے اور پھر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ اصلاح و تکمیل کا رہبر کہتی ہے ایک غائر نظر ڈالے تو وہ ہر ایک حکم کے لئے کوئی سبب اور ہر امر و نہی کے لئے کسی خاص مصلحت کا اور اک گنگا اسکی تفصیل بہت طویل ہے جسکی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

غرض کہ ملت ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز، روزہ ہو یا زکوٰۃ حج ہو یا ذکر، ایک فتور عظیم برپا ہو گیا تھا، کیونکہ اسکے احکام کی اجراء میں اہل برتا جاتا تھا اور بوجہ اکثر آدمیوں کے نادانانہ ہونیکے باہم اختلاف کرتے تھے اور اہل جاہلیت نے اس میں تحریف کر دی تھی، قرآن مجید نے اس تمام بد نظمی کو دور کر کے کامل اصلاح اور درست کی، اور تدبیر منزل کے قواعد میں بھی نقصان دہ رسوم اور ظلم دہ کشتی نے بری طرح

دخل پالیا تھا، اور احکام سیاست مڈن بھی بالکل محفل ہو چکے تھے قرآن مجید نے آکر ان کے اصول کو بھی منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمائی اس قسم کے انواع و اقسام کے بہت سے صغائر مذکور ہوئے ہیں۔ اور مسائل نماز کا اجمالی تذکرہ کیا گیا، اور لفظ اقامت صلوٰۃ بولا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان جماعت اور اوقات نماز اور بنا برمساجد سے اسکی تفصیل فرمائی ہے۔ اور مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے ذکر کئے گئے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل فرمائی ہے اور روزہ سورہ بقرہ میں اور حج کعبہ سورہ بقرہ اور سورہ حج میں مذکور ہوا۔ اور جہاد کا سورہ بقرہ اور انفال اور دوسرے متفرق مقامات پر، اور حدود کا سورہ مائدہ اور نور میں اور میراث کا سورہ نساء میں، اور نکاح و طلاق کا سورہ بقرہ اور سورہ طلاق وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

جبکہ یہ قسم جس کا فائدہ تمام افراد امت کے لئے عام ہو ختم ہو گئی تو اسکے بعد دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً کوئی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پیش کیا گیا اسکا آپ نے جواب فرمایا۔ یا کسی خاص حادثہ میں جبکہ اہل ایمان نے اپنا جان و مال لے کر دریغ صرف کیا۔ اور منافقین نے بخل اختیار کیا، خدا تعالیٰ نے مومنین کی تعریف۔ اور منافقین کی مذمت فرمائی اور ان کو ہتھکڑیاں پہنائیں اور یا کوئی حادثہ مثل شمنوں پر فتح دینا اور انکے ضرر سے محفوظ رکھنے کے مانند واقع ہوا ہو تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا احسان قبول کیا اور ان کو نعمتیں یاد دلوائی ہوں، اور یا کوئی ایسی خاص کیفیت پیدا ہوئی جبر و تنبیہ۔ یا تعزیریں و ایماں اور یا امر و نہی کی ضرورت تھی اور خدا نے اس بارہ میں اس کے مناسب حکم نازل فرمایا۔ ایسی خاص حالتوں میں مفسر کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان قصوں کو بطریق اختصار بیان کرے جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے سورہ انفال میں قصہ بدر کی جانب اور آل عمران میں احد کی جانب اور احزاب میں غزوہ خندق کی جانب۔ اور سورہ فتح میں حدیبیہ کی طرف، اور سورہ حشر میں بھی

بنی نضیر کی جانب اشارات کئے گئے ہیں، اور سورہ برات میں فتح مکہ اور غزوہ تبوک پر آمادہ کیا گیا ہے اور ماندہ میں حجۃ الوداع کی طرف، اور احزاب میں نکاح حضرت زینب کی طرف اور سورہ تحریم میں تحریم سر یہ کی طرف، اور نور میں قصہ انک غاشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اور سورہ جن و احقاف میں جنات کے حضرت کی تلاوت سننے کی طرف اور برات میں قصہ مسجد خزار کی طرف، اور سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں واقعہ معراج کی طرف اشارے کئے گئے ہیں، اگرچہ یہ قسم بھی درحقیقت تذکیر بایام اللہ میں داخل ہے لیکن چونکہ اسکی تعریضات کا حل پہلی قصہ سنو پر موقوف ہے اسلئے اسکو باقی اقسام سے علیحدہ رکھا گیا۔

باب دوم

وجہ خفائے نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت

وضاحت کیساتھ

جانتا چاہیئے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورہ عرب کے موافق نازل ہوا۔ اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ والکتاب المبین۔ اور قرآن مجیداً لعلمک تعقلون اور حکمت آیاتہ تم فصلت شائع کی یہ مرضی ہے کہ متشابہات قرآنی کی تاویل اور صفات خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مبہمات کی تعیین اور قصود کی

۱۔ سورہ تحریم میں جس چیز کی حرمت کا ذکر ہے اس کی نسبت روایات مختلف ہیں، ایک ایت یہ ہے کہ مارہ قبیلہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کو کسی ام المؤمنین کے اصرار سے اپنے حرام کیا تھا۔

تفصیل میں غور و خوض نہ کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے۔ لیکن جب کہ اس طبقہ کا دور گزر چکا اور علوم تفسیر میں عجمیوں نے دخل دینا شروع کیا۔ اور نیز وہ پہلی زبان بھی متروک ہو گئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارح کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی، اور ضرورت پڑی کہ لغت و علم نحو کی چھان بین کی جائے اور سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں بدینوجہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ مشکل مقامات اور انکے اہل بیان کر دیں۔ تاکہ معانی قرآنی میں غور و خوض کے وقت طول بیان کی حاجت نہ پڑے اور ان مقامات کو مبنا کے ساتھ حل کرنے کے لئے مجبور ہوں۔

کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کا سبب کبھی لفظ نادار کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس لفظ کے معنی صحابہ اور تابعین اور باقی واقف کاران معانی سے نقل کئے جائیں۔ اور کبھی اس کا سبب ناسخ منسوخ میں شناخت نہ کر سکرنا اور اسباب نزول کا یاد نہ رہنا، اور کبھی مضاف و موصوف و غیرہ کا محذوف ہونا۔ اور کبھی کسی شے کو کسی شے سے یا کسی حرف کو کسی حرف سے اور یا اسم کو کسی اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس۔ اور کبھی اس کا سبب ضما کر کا انتشار اور ایک لفظ کے متعدد معانی اور کبھی تکرار اور مفید و ضروری طوالت ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار، اور کسی وقت کنایہ اور تخریص یا متشابہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہے۔ سعادتمند دوستوں کو چاہیے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت اور ان کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں اور مقام تفصیل میں مزید اشارہ پر اکتفا کریں۔

فصل اول

قرآن مجید کے الفاظ ناوہ کی شرح کے بیان میں

غرائب قرآن کی شرح میں بہترین مترجم القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت و صحت کیساتھ ہم کو پہنچی ہے۔ اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح بخاری میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے اور اسکے بعد ابن عباسؓ کی شرح کے طریق اور نافع ابن الارزق کے سوالات پر ابن عباسؓ کے جوابات کا مرتبہ ہے۔ ان تینوں طریقوں کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تقان میں ذکر کیا ہے، اسکے بعد شرح غرائب کا مرتبہ ہے جسکو امام بخاری نے ایضاً تفسیر سے نقل کیا ہے۔ اسکے بعد شرح غرائب قرآنی ہیں جن کو دو سر مفسرین نے حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے روایت کیا ہے جو مجکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی پانچویں باب میں غرائب قرآنی کے تمام معتبر شروح کو مع شان نزول بیان کر دوں، اور اس باب کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں تاکہ جو چاہے اسکو اس سالہ میں شامل کر لے اور جو چاہے اسکو جدا گانہ یاد کر لے؛ للناس فیما یعشون منہا سب فائدہ۔ حضرات صحابہ اور تابعین کبھی لفظ کی تفسیر اس کے معنی لازمی سے کرتے ہیں اور متأخرین لغات کے تتبع اور مواقع استعمال کے تفحص کی بنا پر اس قدیم تفسیر میں شبہات کرتے ہیں، اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیر سلف کا کامل اتباع ہے، اور تنقیحات و تنقیدات کے لئے اس مختصر رسالہ کے علاوہ دوسرے موقع ہی کیونکہ

”ہر سخن وقت و ہر نکتہ مکانے دارد“



فصل دوم

ناسخ و منسوخ کی معرفت فن تفسیر میں ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بیشمار اختلافات ہیں۔ اور اس کے اشکال کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے، اس باب میں حضرات صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کا ازالہ دوسری چیز کے ذریعہ) میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول کے موافق، بدین وجہ ان کے نزدیک معنی نسخ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کرنا دوسری آیت کی ساتھ ہوگا، یہ ازالہ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کی انتہا ہو یا کلام کو اسکے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو، یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاقی تھی، اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو، اور یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر قارق کا بیان۔ یا جاہلیت کی کسی عادت اور یا شریعت ... سابقہ کا ازالہ ہو۔

چونکہ ان حضرات کے نزدیک نسخ باب وسیع رکھتا ہے اسلئے عقل کو ہمیں جولانی اور اختلاف کی گنجائش مل گئی یہی وجہ ہے کہ وہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک بیان کرتے ہیں، لیکن اگر مزید غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، مگر متاخرین کی اصطلاح کے موافق آیات منسوخہ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے علی الخصوص اس توجہ کی رو سے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان مذکورہ بالا کو بعض علماء سے لے کر اپنی کتاب میں مناسب بسط کی ساتھ بیان کیا ہے۔ اور جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ ہیں ان کو شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کر کے قریباً بیس منسوخ آیتیں گنوائی ہیں۔ لیکن فقیر

کوان بیس میں بھی اکثر کی نسبت کلام ہی ہم اس موقع پر علامہ سیوطی کے کلام کو مع اپنے شبہات کے بیان کرتے ہیں، سورۃ بقرہ (۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت، یہ آیت منسوخ ہو اس کے نسخ کے تعین میں بعض سے منقول ہے کہ آیت میراث سے منسوخ ہو اور بعض کہتے کہ حدیث لادصیۃ لوارث سے، اور بعض کا قول ہے کہ اجماع سے یہ ابن عربی نے بیان کیا ہے میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ آیت یو صیکم اللہ فی اولادکم سے منسوخ ہو، اور حدیث لادصیۃ اس نسخ کو بیان کرتی ہے۔ (۲) دغلی الذین یطیقون قدیۃ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ سے منسوخ ہے اور یہ بھی قول ہے کہ یہ آیت محکمہ ہو اور اس میں لامقدر ہو میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ایک دوسرا طریقہ ہے، جو یہ ہے کہ آیت کے معنی ہیں۔ و علی الذین یطیقون الطعام قدیۃ ہی طعام مسکین یعنی جو لوگ کھانا دینا چاہتے رکھتے ہیں، ان پر فدیہ ہو جو ایک مسکین کا کھانا ہے، یہاں غنیمت کو اس کے مرجع کے پہلو اس لئے ذکر کیا کہ مرجع باعتبار رتبہ کے مقدم ہو اور غنیمت کو اس لئے ذکر لائے کہ درحقیقت فدیہ سے مراد طعام ہی ہے، اور طعام سے مراد صدقۃ الفطر ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کے حکم کے بعد صدقۃ الفطر کو اس طرح بیان فرمایا ہے جیسا کہ دوسری آیت فمن شہد منکم الشہر (خ) کے بعد تکبیرات عید و تکبیر اللہ علی ما بدکم (کو (۳) اعل لکم لیلة الصیام الرث) آیت لکما کتب علی الذین من قبلکم کیلئے نسخ ہو کیونکہ مقتضایہ تشبیہ یہ ہے کہ شب کے وقت بھی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور وطی کی حرمت میں جو اگلی امتوں پر بھی موافقت ہو۔ یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بیان کی ہے جو یہ ہے کہ یہ آیت اس حکم حرمت وطی کیلئے نسخ ہو جو ارشاد نبوی سے ثابت تھا۔ میں کہتا ہوں کہ کما کتب سے نفی جو صوم میں تشبیہ دینا مقصود ہے۔ نہ کہ نسخ کیوں کہ یہاں روزے داروں کے اس حال کو بدلایا ہے جو اس اجازت سے پہلے تھا۔ اور ہم کو کوئی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے حق میں دُعا حرام کر دی تھی، اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثابت بالسنتہ تھا، اس آیت سے اس کی منسوخ ہو گئی۔ (۴۷ میلونک عن الشہر الحرام الآیہ قاتلوا المشرکین کافۃ الآیہ سے منسوخ ہے اس روایت نسخ کو ابن جریر نے موطا میں میسرہ سے نقل کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مشرکین سے جنگ کی مدت پر نہیں بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ آیت اس قبل سے ہے کہ حکم کی علت کو مان کر اس کے موافق بھی ظاہر کئے جائیں، اب اس آیت کے یہ معنی ہو گئے کہ اگرچہ شہر حرام میں قتال نہایت سخت ہے لیکن فتنہ کفر و شرک اس سے بھی زیادہ سخت ہے اسلئے اس کی روک تھام کے لئے جنگ جائز ہے، اور یہ معنی سیاق کلام اللہ سے عیاں ہے کما لا یخفی (۵) والذین یتوفون، متاعا الی الحول تک، یہ حکم آیت اربعہ اشہر و عشر اسے منسوخ ہے، اور نسخ وصیت آیت میراث سے ہوا۔ اب صرف سکنی ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے، اور ایک جماعت کے نزدیک وہ بھی حدیث لاسکنی سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں یہ آیت جیسا کہ علامہ نے بیان کیا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے اور مگر کہ اس آیت کے معنی یوں بیان کئے جائیں وصیت میت کیلئے تو مستحب یا جائز ہے مگر عورت پر زمانہ وصیت میں سکونت واجب نہیں یہی حضرت ابن عباس کا مذہب ہے اور یہ معنی آیت سے ظاہر ہیں۔

(۶) قوله تعالیٰ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم بہ اللہ آیت لا یكلف اللہ

اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ مرد کے ذمہ اپنی زوجہ کے لئے ایک سال کا نفقہ اور سکنی کی وصیت کرنا ضروری ہے، مگر عورت پر خواہ مخواہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہنا ضروری نہیں بلکہ صرف چار مہینے دس دن، اس توجیہ کی بنا پر کوئی آیت منسوخ نہ ہو گی۔ قال بہ ابن عباس و البخاری وابن تیمیہ ۱۲۔

نفساً الا وسعها سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں تخصیص عام کی قسم سے ہے، اور پہلی آیت نے بیان کر دیا کہ مافی النفسکم سے مراد اخلاص و نفاق ہی، نہ کہ خطراتِ نفس جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں کیونکہ تکلیف شرعی ان ہی چیزوں میں ملگئی ہے جن پر انسان کو قدرت حاصل ہے

اقوالہ حق تقاة۔ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے

سورہ آل عمران میں اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں ہے جس کی نسبت غوی نسخ صحیح ہو میں کہتا ہوں کہ حق تقاة سے مراد شرک اور کفر یعنی امور اعتقاد میں تقویٰ مراد ہے۔ اور ما استطعتم میں اعمال ہیں یعنی جسکو وضو کی قدرت نہ ہو وہ تمیم کر لے۔ اور قیام کی طاقت نہ ہو بیٹھ کر نماز پڑھ لے یہ مضمون سیاق آیت یعنی "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے ظاہر ہے۔

والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم۔ اس آیت سے منسوخ ہے۔ سورہ نسا میں دالوا الارحام بعضہم اولى ببعض میں کہتا ہوں کہ آیت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ میراث موالی کیلئے اور صلہ نیک موالی الموالات کیلئے ہے۔ اب نسخ نہیں رہا (۱) قولہ

تعالیٰ اذا حضر القسمة الا یہ۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم نہ اور اس میں امر استجبائی ہے یہی معنی ظاہر ترین ہیں (۲) قولہ تعالیٰ والذین یاتین لفاحشة الا یہ آیت نور سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں اس میں نسخ نہیں ہوا بلکہ یہ حکم اپنی نہایت تک پہنچ گیا ہے اور جب اسکی انتہا کا وقت آپہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ موعودہ کی تفصیل فرمادی کہ یہ ہے تو اب نسخ نہیں رہا۔

سورہ مائدہ (۹) دلا الشہر الحرام، شہور محرّمہ میں اباحت قتل کے حکم سے منسوخ ہے۔ میں

کہتا ہوں اس آیت کا نسخہ نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث صحیح میں البتہ اسکے یہ معنی ہیں کہ جو قتال حرام ہے وہ شہر محرمہ میں اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ تمہاری جان و مال تم لوگوں کے اوپر اس طرح حرام ہیں جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس جہینہ تمہارے اس شہر میں حرام ہے۔ (۱۰) قوله تعالى - فان جاءك فاحكم بینهما وادعہن عنہم - یہ آیت وان احکم بینهما بالانزل اللہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آیت ہذا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تجھے خود حکم دینا منظور ہو تو قانون خداوندی بما انزل اللہ کے موافق حکم کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا۔ الحاصل ہمارے لئے دو نو باتیں جائز ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ مقدماً کا مرفعہ اپنے عمائد کے یہاں کریں تاکہ وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو ہم خود اپنے منزل من اللہ احکام سے ان کا قضیہ چکا دیں۔

(۱۱) قوله تعالى او آخرا من غیرکم منسوخ ہے آیت اشہدوا ذوی عدل منکم سے میں کہتا ہوں کہ امام احمد کا قول آیت کے ظاہر معنی کے مطابق ہے۔ اور دوسرا یہ کہ نزدیک اس کے یہ معنی ہیں۔ اور آخرا من غیر اقرارکم اس توجیہ پر گواہان وصیت مسلمانان غیر قربت داروں میں سے ہوں گے۔

(۱۲) قوله تعالى ان یکن منکم عشرون صابرون الآیہ، اپنی مابعد والی **سورہ انفال** آیت سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ بیشک منسوخ ہے۔

(۱۳) انفر و اخفا و ثقالا۔ آیات عذر یعنی لیس علی الاعنی اخرج الآیہ اور **سورہ براۃ** لیس علی الضعفاء الآیہ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں مراد خفا سے یہ ہے کہ ضروریات جہاد (مثلاً) مراکب، غلامان خدمت سامان خورد و نوش کی کم از کم مقدار موجود ہو۔ اور ثقالا سے کہ یہ شیاں نہایت دیر ہوں اب نسخ نہیں رہا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں نسخ متعین نہیں بلکہ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔

سورہ النور الزانی لایستخ الا زانیۃ الآیہ۔ یہ آیت وانکحوا الایامی منکم سے منسوخ ہے
 میں کہتا ہوں امام احمد نے اس آیت کو ظاہری معنی پر حکم دیا ہے اور دوسرے
 ایہ کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ مرتکب کبیرہ زانیہ ہی کا ہملفوہی۔ اور یا یہ کہ زانیہ سے
 نکاح کرنا مستحب نہیں ہے، اور آیت میں حرم ذالک سے زنا و شرک کی جانب اشارہ ہے
 اسلئے نسخ نہیں کہہ سکتے۔ اور آیت وانکحوا الایامی عام ہے وہ خاں کو منسوخ نہیں کر سکتی
 (۱۵) قوله تعالیٰ لیستأذکم الذین ملکت ایمانکم الآیہ۔ اس میں قول ہیں، ایک یہ کہ منسوخ
 ہے دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل سو کام لیا ہے۔
 میں کہتا ہوں بن عباس کا مذہب ہے کہ وہ منسوخ نہیں اور یہی زیادہ قابل اعتبار ہے۔

سورہ احزاب (۱۶) لایجکلک النساء من بعد الآیہ یہ آیت انا اعللنا لک ازواجک
 اللاتی سے منسوخ ہے، میں کہتا ہوں ممکن ہے نسخ باعتبار تلاوت
 منسوخ سے مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔

سورہ مجادلہ (۱۷) اذا ناکحتم الرسول فقد ناکحتم الآیہ۔ یہ اپنے بعد والی آیت سے
 منسوخ ہے میں کہتا ہوں یہ قول ٹھیک ہے۔

سورہ ممتحنہ (۱۸) فاتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا۔ اس آیت میں تین قول
 ہیں (۱) آیت سیف سے منسوخ ہے (۲) آیت نفیت سے منسوخ ہے (۳) محکم
 ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کا محکم ہونا ظاہر ہے لیکن حکم صلح اور قوت کفار کی وقت کی طرف ہے۔

سورہ مزمل (۱۹) تم اللیل الاقلیل۔ یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہے، اور پھر
 وہ بھی فرضیت نماز پنجگانہ سے منسوخ ہو گیا، میں کہتا ہوں نماز پنجگانہ

سے نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورہ مزمل کے ابتدا میں استحباب قیام
 لیل کی تاکید ہے، اور آخر میں صرف اس تاکید کا نسخ کر کے استحباب غیر موکد کو باقی رکھا گیا
 ہے علامہ سیوطی نے ابن عربی کے ساتھ اتفاق کر کے کہا ہے کہ ایسی آیتیں منسوخ ہیں باوجودیکہ انہیں

بھی بعض کی نسبت اختلاف ہے اور ان کے علاوہ اور کسی آیت کیلئے دعویٰ نسخ صحیح نہیں اور آیت استیذان اور آیت قیمت اور آیت احکام میں عدم نسخ صحیح ہے، اب صرف ان آیتیں منسوخ رہ گئیں، میں کہتا ہوں ہماری تحریر کیموافق پانچ ہی آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے علم تفسیر کا دوسرا دشوار ترین مسئلہ معرفت اسباب نزول ہے اس میں بھی بعض اشکال و ہی مقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ کلام حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کے استقراء سے جس قدر ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا نزول فی کذا یہ آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی کسی ایسے قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا۔ جو زمانہ نبوی میں واقع ہو کر نزول آیت کا سبب ہوا۔

ان کی عادت ہے کہ مصداقہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانہ نبوی اور یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کر کے نزول فی کذا کہہ دیا کرتے ہیں، ایسے موقع پر تمام قیود کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے ہاں اصل حکم میں تطبیق چاہیے اور بس اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا۔ یا آپ کے زمانہ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہہ دیا کرتے ہیں نزول فی کذا ایسی خاص صورتوں میں کبھی فانزل اللہ تعالیٰ قولہ کذا یا صرف فنزلت بھی استعمال کرتے ہیں لہذا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت سے استنباط اور آپ کے قلب مبارک میں اس وقت اس آیت کا القاء بھی وحی اور نفث فی الریح کی ایک قسم ہے، یہی وجہ ہے جو اس موقع پر لفظ فانزلت کا استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی شخص تکرار نزول کیساتھ اس کو تعبیر کرے یہ بھی ممکن ہے۔

محدثین آیات قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت اشیاء ذکر کر جاتے ہیں، جو فی الحقیقت

اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا یا آیت کے تمثیل دینا، یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا، اور یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جسکو آیت کے ساتھ اسکی غرض یا موقع نزول یا اسما مذکورہ فی الآیات کے بہم کی تعین میں موافقت حاصل ہو، یا کسی کلمہ قرآنی کے لئے اداسے تلفظ کا طریقہ۔ یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امثال امر قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر درحقیقت یہ تمام باتیں سبب نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ انکا احاطہ کرنا مفسر کی شرائط میں داخل ہو مفسر بننے کے لئے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے، ایک واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں، کیونکہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسر نہیں آسکتا اور دوسرے وہ قصے جس سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ مثلاً آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ، کیونکہ آیات کے اصل مقصد کا علم ان قصص کی موافقت کے بدون ممکن نہیں۔

یہاں پر یہ جان لینا مناسب ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کے قصے احادیث میں کم مذکور ہیں، اور ان کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جنکے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین برداشت کرتے ہیں، وہ سب الا اشار اللہ علماء اہل کتاب کو منقول ہیں۔ صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے۔ لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوہم۔ رقم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو اور یہی جان لینا چاہیے کہ حضرات صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور انکی جاہلانہ عادات کے بارہ میں قصہ ہائے مخصوصہ اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں۔ اور ایسے موقع پر کہ اکثر کہہ دیتے ہیں نزولت الایۃ فی کذا۔ اس سے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اس طرح کے واقعات کی نسبت نازل ہوئی ان کی مراد اس سے عام ہوتی ہے کہ سبب نزول ہی واقعات ہو

یا اس کے مانند اور کوئی، اور یا آیت اسکے قریب نازل ہوئی ہو، اس صورت خالص کے اظہار سے ان کا مقصد اسکی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ صورت ان امور کلیہ کیلئے رجن کا اظہار و بیان ضروری ہے، ایک اچھی تصویر ہر اسلئے بسا اوقات انکے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھینچے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو دردار رضی اللہ عنہ نے جس مقام پر یہ کہا ہے کہ کوئی شخص ہرگز فقیہ نہیں ہو سکتا، جب تک اس میں ایک آیت کو متعدد معانی پر حمل کرنے کا ملکہ نہ پیدا ہو جائے وہاں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علیٰ ہذا قرآن مجید میں یہ اسلوب بکثرت اختیار فرمایا گیا ہے کہ دو صورتیں بیان ہوتی ہیں، ایک سعید کی جسکے ذیل میں بعض اوصاف سعادت ذکر کئے جاتے ہیں اور ایک شقی کی جسکے تحت میں بعض اوصاف شقاوت کا ذکر ہوتا ہے۔ مگر ایسے مقامات میں عام طور پر صرف ان اوصاف و اعمال ہی کے احکامات کا اظہار منظور ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی جانب تعریف نہیں ہوتی چنانچہ پیغمبر میں ارشاد فرمایا۔

ووصینا الانسان بوالدیه احسانا حملته امه کرہا ووضعتہ کرہا، اور اسکے بعد شقی اور سعید کی دو صورتیں ذکر فرمائیں اور اسی کے مانند یہ دو آیتیں پک کی ہیں واذ اقبل لہم ماذا

انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین۔ اور وقیل للذین اتقوا ما انزل ربکم قالوا خیرا۔ اور آیات ذیل کو بھی اسی قاعدہ پر حمل کرنا چاہیئے۔ ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ

اور آیت پک نمبر ۱۲۰ ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا لیسکن الیہا فلما نقشہا الایۃ اور پک قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلواتہم خاشعون اور ولا تقطع کل خلاف ہمین۔

اور اس صورت میں یہ بات کچھ ضروری نہیں ہے کہ بعینہ وہ خصوصیات کسی فرد میں پائی بھی جاتی ہوں، چنانچہ آیت کش جتہ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبہ۔ میں لازم

نہیں آتا کہ اس صفت کا کوئی بیج پایا بھی جائے، یہاں پر کثرتِ اجر کی تصویر کھینچنے کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے، اور اگر کوئی صورت اس کے ساتھ اکثر یا تمام خصوصیات میں موافق بھی پائی جاتی ہو تو وہ لزومِ مالا یلزم کے قبیل سے سمجھی جائیگی اور یہی ظاہر اور ودشہ کیہ دور کیا جاتا یا کسی قریب الغم سوال کا جواب محض کلام سابق کے ایضاح مطلب کے قصد سے دیا جاتا ہے، حالانکہ اس زمانہ میں نہ کسی کا کوئی شبہ ہوتا ہے نہ کوئی سوال ہسا او قاصحابہ ایسے مقام کی تقریر کرتے ہوئے کوئی سوال بطور خود تجویز کر لیتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں اور اگر بعض تحقیق خوب چھان بین کجاتی تو یہ تمام کلام باہم متصل اور مربوط معلوم ہوتا ہے جس میں ترتیب نزول کے اعتبار سے قبلیت اور بعدیت کی گنجائش نہیں ہے اور ایک ایسا منتظم حمد نظر آتا ہے جسکی قیود کا تجزیہ کسی قاعدہ پر نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات صحابہ تقدم و تاخر کا ذکر کرتے ہیں، اور اس سے ان کی مراد تقدم و تاخر باعتبار مرتبہ کے ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ

عنہما نے آیت الذین یکنزون الذہب والفضة میں کہا ہے، ہذا قبل ان تنزل الزکوٰۃ فلما نزلت جعلها اللہ تعالیٰ طہر الاموال، یہ معلوم ہے سورہ براءۃ (جس میں آیت ہے) سب صورتوں سے بعد میں نازل ہوئی اور یہ آیت ان قصص میں ہے جو سب میں متاخر ہیں اور زکوٰۃ کی فرضیت اس سے ساہا سال پہلے ہو چکی ہے لیکن ابن عمر کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبہ تفصیل سے مقدم ہے۔

بالجملہ جو امور مفسر کے لئے شرط ہیں وہ ان دو نوعوں سے زیادہ نہیں ہیں، ایک غزوات وغیرہ کے قصے جن کی خصوصیات کی جانب مختلف آیتوں میں ایسی تصریحات ہیں کہ تا وقتیکہ ان واقعات کا علم نہ ہو اس وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی اور دوسرے بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدد کے ایسے اسباب

۱۵ یہ نزول زکوٰۃ سے پہلے ہے۔ پس جبکہ زکوٰۃ نازل ہوئی تو خداوند تعالیٰ نے ان کو مالوں کیلئے پاکی بنایا۔

جس کا علم کیفیت نزول کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے اور یہ بحث اخیر دراصل فنون توجیہ میں ہے ایک فن ہے، اور توجیہ کے معنی ہیں صورت کلام کا بیان، اور اس کلمہ (تعریف توجیہ) کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے یا تو اس صورت کے استبعاد کی وجہ سے جو مدلول آیت سے، یا دو آیتوں کے باہمی تناقض سے، اور یا اس وجہ سے کہ مبتدی کے ذہن پر مصدق آیت کا تصور شواہد ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ اسکے ذہن نشین نہیں ہوتا اُن صورتوں کے پیدا ہونے پر جب مفسران اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کا نام توجیہ کہاجاتا ہے مثلاً آیت یا اخت ہارون میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان میں ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے تو کیوں کہہ سکتا ہے کہ ہارون مریم علیہا السلام کے بھائی ہوں، گویا کہ سائل نے اپنے ذہن میں یہ ٹھہرا لیا تھا کہ یہ ہارون دو آیت میں مذکور ہیں وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام ایسے صلحاء کے نام پر رکھا کرتے تھے جو اُن سے پہلے گزر چکے اور مثلاً آپ سے سوال کیا گیا کہ محشر میں آدمی منہ کے بل کس طرح چلیں گے۔ آپ نے فرمایا ان الذی امشانی الدنیا علی رجليہ تقاعد علی ان میثیہ علی وجہ اور مثلاً ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ ایک آیت میں لا یتساکون ہے۔ اور دوسری میں و اقبل بعضهم علی بعض یتساکون۔ ان دونوں میں صورت تطبیق کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عدم سوال میدان حشر میں اور سوال جنت میں جائیکے بعد ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ صفا و مروہ کے درمیان اگر سعی واجب ہے تو فقط لاجنح دگناہ نہیں کہیوں فرمایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت ایک جماعت نے گناہ سمجھ کر اس سے پرہیز اختیار کیا تھا اس لئے لاجنح فرمایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قید ان خفتم کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صدقہ تصدق اللہ بہا (یعنی ہم بندے کے صدقہ میں تنگی روا نہیں رکھتے) ایسے ہی خدا تعالیٰ نے اس قید کو تنگی (احتراز) کے لئے ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ قید اتفاقی ہے۔ علم تفسیر میں توجیہ کی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارا مقصود صرف تبیین ہے۔

ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن اسباب نزول اور توجیہات مشکل کو بخاری اور ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسناد صحیحہ سے صحابہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے ہم بھی ان کو بطور تنقیح و اختصار بابت ختم میں نقل کریں اس سے دو فائدے ہوں گے، اول یہ معلوم ہو جائے گا کہ اتنے آثار کا حفظ کرنا مفسر کیلئے ضروری ہے چنانچہ غرائب قرآن کی شرح جس قدر ہم نے ذکر کی ہے وہ نہایت ضروری ہے، دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسباب نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں، البتہ صرف ان قصص کو کچھ دخل ہے جنکا ان ہر تفسیر میں ہے جو محدثین کی نزدیک صحیح تر ہیں، اور محمد ابن اسحاق و اقدی اور کلبی نے قصہ فرنی میں حسب قدر فراط کی ہے یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت میں ایک قصہ لائے ہیں (محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے، اور ان کے اسناد میں نقصانات ہیں ان لوگوں کے اسل فراط کو علم تفسیر کے لئے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے، اور اس کے حفظ پر ہم کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنا دراصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہے۔ و ما تو فیعی الا باللہ علیہ تو کلت وہو رب العرش العظیم۔

فصل سوم

اس باب کے بانی مباحث کے بیان میں

جو اشیاء کلام میں خفا پیدا کرتی ہیں یہ ہیں (۱) کلام سے بعض اجزاء یا حصے کا

حذف کرنا۔ (۲) دوسرے ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا (۳) مستحق تاخیر کی تقدیم (۴) مستحق تقدیم کی تاخیر (۵) متشابہات، تعریضات کنایات کا استعمال، علی الخصوص معنی مقصود کی تصویر ایسے محسوس صورت کے ذریعہ سے جو عادتاً ان معانی کیلئے لازم پہنچنا (۶) استعارہ مکینہ اور مجاز عقلی کا استعمال۔

ہم مختصر طور پر ان اشیاء کی بعض مثالیں اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ طالب کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہو جائے۔

حذف۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً حذف مضاف یا حذف موصوف یا حذف متعلق وغیرہ

لیکن یہی اس شخص کی ہجو ایمان لایا۔

اور ہم نے ثمود کو کھلا ہوا معجزہ دیا تھا یعنی نشانی کھلی ہوئی۔

اور اپنے دلوں میں بچہ پرے کی محبت پلائے گئے۔

کیا تو نے ایک نفس معصوم کو بغیر نفس کے قتل کیا یعنی بدون قتل نفس کے یا بغیر فساد کے۔

جو شخص کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی جو شخص کہ آسمانوں اور جو شخص زمین میں ہے کیوں کہ شے واحد ہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔

دونا زندگی کا اور دونا موت یعنی دونا عذاب زندگی اور دونا عذاب موت کا۔

اور گاؤں سے سوال کر یعنی گاؤں کیسے سوال کر

حذف کی مثالیں مثال (۱) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۲) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۳) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۴) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۵) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۶) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

مثال (۷) $\text{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ$

اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلا یعنی بجائے شکر نعمت اللہ کی انہوں نے کفر کیا۔

البتہ ہدایت کرتا ہے اس کی طرف جو سیدھا ہے یعنی اس خصلت کی طرف جو سیدھی ہے ہدایت کرتا ہے، یعنی ساتھ اس خصلت کے جو احسن اور زیادہ عمدہ ہے۔

ان کے لئے ہماری طرف سے حسنی یعنی کلمہ حسنی یا وعدہ حسنی نے سبقت کی۔

تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے۔

ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں نازل کیا

یہاں تک کہ سورج پردہ میں چھپ گیا۔

مثال (۸) پ ۳۱ ردو انعمۃ اللہ کفر ای فعلوا مکان بشکر نعمۃ اللہ کفرا

مثال (۹) پ ۱۹ ردو یدى للتى ہی اقوم لى

مثال (۱۰) پ ۲۲ ردو بالتى ہی احسن اے بالخصلة التى ہی احسن۔

مثال پ ۲۱ سبقت لهم منا الحسنی ای الکلمۃ الحسنی والعدۃ الحسنی۔

مثال پ ۲۲ علی ملک سلیمان ای علی عہد ملک سلیمان۔

پ ۳۱ وعدتنا علی رسولک ای علی السنۃ رسولک اس مثال میں رسول کو پیشتر السنۃ جو مضاف ہے محذوف ہے۔

انا انزلناہ فی لیلة القدر ای انزلنا القرآن ان لم یسبق له ذکر۔

پ ۲۳ حتی توافی بالحباب ای توافی الشمس پ ۲۱ وما یلقہا ای خصلۃ البصر۔

پ ۲۳ عبدلطاغوت فمین قرابا نصب ای جعل منہم من عبدلطاغوت اس مثال میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حرف جار محذوف ہے۔

پ ۱۹ فجعلہ نسا و صہرا ای جعلہ نسا و صہرا

اس مثال میں مفعول کو بیشتر حرف جر محذوف
نکالا ہے۔

پ ۹ و اختار ہو سنی قومہ ای من قومہ میثال
بھی نزع خافض یعنی خلافت جبر کی ہے۔

پھر اَلَا اِنَّ عَادَ کُفْرًا رَہِمَہِمْ اِی کُفْرًا نَعْمَہِمْ
او کُفْرًا رَہِمَہِمْ بَیْرُغِ الْخَافِضِ، اس مثال میں

یا مضاف یعنی نعمتہ یا حرف جر یعنی یا محذوف ہے،
 آپ آتھو ای لا تفتو ومعنا لا تزل من مثال
 میں لفظ لا محذوف ہے۔

سچ رہا مانعبد ہم الا بقربونا الی اللہ زلفی اسی
 یقولون مانعبد ہم اس مثال میں یقولون
 محذوف ہے ۔

۹۔ ان الذین اتخذوا العجل الهایہ مثال حذف مفعول کی ہے۔

۳۱۔ تا تو ننا عن الیمین ای وعن الشمال
یہ شمال حذف معطوف کی ہے۔

۲۷۔ ہونشا ہجعلنا منکم ملکہ ای بدلا منکم
یہ مثال حذف مفعول کی ہے یعنی بدلا مجزوف ہے

پ ۱۵۱ فظلم تفکھون انامضمون ای نقیون
انامضمون یہ مثال حذف قول کی ہے۔

یہ فرما کر خراجک رہا ۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اختیار فرمایا۔

مگر تحقیق تو مٹا دے اپنے رب کا کفر کیا یعنی نعمتوں کا کفر کیا۔ یا خدا کے ساتھ کفر کیا۔

ہمیشہ رہے تو۔

کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ ہم کو اللہ سے نزدیک کریں۔

تحقیق ان لوگوں نے کہ پچھڑے کو معبود بنا لیا ہے،

تم ہمارے پاس واسپنے اور بائیں لے آئے
تھے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ تم سے یعنی تمہارے بدلے
فرشتے کرتے۔

اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تاوان میں آ گئے۔

جاننا چاہیے کہ حذف خبرائے یا حذف جزائے شرط یا حذف مفعول یا حذف مبتداء وغیرہ جس وقت انکا مابعد حذف کی جانب ہمشیر ہو (قرآن مجید میں عام طور پر شائع ہے۔

پہلے ۱؎ فلو شار لہد اکم اے لو شار ہد ایتکم لہد اکم
مثال ہذا میں مفعول حذف ہو رہا ہے۔

مثال حذف مبتداء پہلے ۲؎ الحق من ربک ای
ہذا الحق من ربک۔

پہلے ۳؎ لا یتوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل
اولئک عظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا

ای لا یتوی من انفق من قبل الفتح و من انفق
من بعد الفتح فخذوا الثانی لدالۃ قولہ ولئک عظم

درجۃ من الذین انفقوا من بعد یہ مثال حذف خبر
جملہ کی ہو یعنی من انفق من بعد الفتح حذف ہو رہا ہے

پہلے ۴؎ واذ قبل لہم اتقوا ما بین یدیکم ما خلفکم لعلمکم
ترجمون ما یتیم من آیۃ من آیات بہم الاکانوا

عنہما معضین ای اذ قبل لہم اتقوا ما بین یدیکم
وما خلفکم اعرضوا اس مثال میں اعرضوا محذوف

ہو جس پر ایت متاخرہ دلالت کر رہی ہے۔
اور نیز جاننا چاہیے کہ اذ قال ربک للملکۃ اور اذ قال موسیٰ کی مثال میں فقط اذ حقیقتہً

ظرف فعلی ہو لیکن بعد میں اسکو تہوین و تحوین (ڈرانے و دھمکانے) کے معنی میں نقل کر لیا گیا ہے

اور اسی کے مانند یہ بھی ہو کہ مثلاً کوئی شخص خوفناک مواضع یا واقعات کو اس طرح گنوا تا ہو کہ نہ
ان میں جملہ کی ترکیب تیا ہے اور نہ ان کے اعراب ہی کہتا ہے کیوں کہ وہ ان واقعات

اگر خدا چاہتا البتہ تم کو ہدایت کرتا یعنی اگر تمہاری ہدایت
چاہتا البتہ ہدایت کرتا

یعنی حق تیرے رب سے ہے یعنی یہ حق تیرے
رب سے ہے۔

نہیں برابر ہے تم سے وہ شخص جس نے پہلے فتح سے
خرج کیا اور مقابلہ کیا وہ باعتبار درجہ کے عظم ہے

ان لوگوں سے جنہوں نے بعد فتح خرج کیا اور مقابلہ
کیا یعنی نہیں برابر وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرج

کیا اور جس نے بعد کو خرج کیا پس سر یعنی من انفق
من بعد الفتح بوجہ دلالت آیت بالا حذف کر دیا گیا ہے

اور جبلان سے کہا جاتا ہے کہ جو آنتیں تم کو تمہارے
آگے اور تمہارے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں ان سے بچو

تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو اس کی وہ مطلق پروا نہیں
کرتے اور ان کے پروردگار کی کوئی سی نشانی

انکے پاس آوے مگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں

یا موانع کو اس واسطے ذکر کرتا ہے کہ ان کی صورت ذہن سامع میں اچھی طرح جم جائے اور اُن کے ذریعہ سے اس کے قلب پر ایک گہرا خوف چھا جائے ایسے مقامات کیلئے تحقیق یہ ہے کہ ان میں عامل کی جستجو ضروری نہیں ہر والدہ اعلم۔

جاننا چاہیے کہ اُن مصدر یہ کے شروع سے کلمہ جارہ کو حذف کرنا کلام عرب میں شائع ہے اس کے معنی کہی لان اور کہی بان اور کہی وقت ان ہوتے ہیں اور نیز جاننا چاہیے کہ ولوتری اذا ظلموں فی عمرات الموت ولویری الذین ظلموا کی امثال میں اصل یہ ہے کہ یہ شرط محذوف کا جواب ہوتا ہے مگر اہل عرب نے اس قسم کی ترکیب کو معنی تعجب کیلئے نقل کر لیا ہے اس لئے یہاں شرط محذوف کے تلاش کی کوئی حاجت نہیں ہے، والدہ اعلم۔

ابدال ایک کثیر الانواع تصرف کا نام ہے ابدال میں کہی ایک فعل کو دوسرے کی جگہ میں مختلف اغراض کے لئے کہتے ہیں ان اغراض کا احاطہ کرنا اس کتاب کا مقصد نہیں ہے۔

یعنی کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارا معبودوں کو ذکر کرتا یعنی گالی دیتا ہے۔	یہ کلام اصل میں اس طرح تھی اذا الذی یسبکم۔
---	--

لیکن چونکہ لفظ سب کا ذکر کرنا مکروہ معلوم ہوا اس لئے اس کے بدلے لفظ ذکر لائے اس قسم کے محاورات عرف عام میں شائع ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے دشمن بیماری میں مبتلا ہو گئے یا بندگان جناب یہاں تشریف لائے یا بندگان عالی جناب اس امر سے واقف ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ فلاں صاحب بیمار ہو گئے اور آپ یہاں تشریف لائے اور آپ اس امر سے واقف ہیں۔

مثال ثانی پ ۱۲ منالایصحیون اے منالاینصرون چونکہ نصرت بلا ملاقات و صحبت نہیں ہو سکتی اس لئے یصحیون اس کے بدلے لائے۔

پ ۱۳ ثعلت فی السموات والارض اے	ثقیل ہوئی یعنی قیامت آسمانوں و در زمینوں
--------------------------------	--

میں پہنچا پڑا ہوا کسی شے کا علم پڑا ہوا
کرتا ہے تو آسمان اور زمین والوں پر دشوار ہوتا ہے
اگر تم کو بطیب خاطر کچھ معاف کر دیں۔

خفیت لان الشیء اذا خفی علمہ ثقل علی السموات
والارض
۳۲ فان طین لکم عن شیء منہ تفصاے عفون
لکم من شے من طینۃ من نفوسہن۔

اور کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم کے مقابل لاتے ہیں
پس ہو گئی گردنیں انکی واسطے انکے جھکنے والی لے
خافۃ۔ پس ہو گئے قنوت کرنے والوں سے

۱۹ قطلت اعناقہم لہا خاضعین لے
خاضعة۔ فکانت من القانتین لے من
القانتات۔

اور نہیں ان کے لئے کوئی مددگار۔
پس نہیں کوئی تم میں سے اُسے روکنے والا
تم ہے عصر کی تحقیق انسان البتہ نقصان میں ہے۔

۳۔ ۱۱ وما لہم من ناصرین اے من ناصر
۲۹۔ ۶ فامنکم من احد غنۃ حاجزین لے حاجز
والعصران الانسان بغی خسۃ لے افراہ بنی
آدم یہاں انسان کو مفرد اس لئے لائے
کہ وہ اسم جنس ہے۔

لے آدم زاد تو اسی طرح گھسٹ گھسٹ کر اپنے
پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہے۔

یا یہاں انسان انک کا روح الی ربک کہ حیا
المعنی یا بنی آدم

۱۰ اس مثال میں خفیت سے ثقلت بدلا گیا ہے کیونکہ پوشیدگی کیلئے گرانی ضرور ہے جو چیز پوشیدہ
ہوتی ہے وہ گراں اور شاق ہوا کرتی ہے۔

۱۱ اس مثال میں عفون سے طین بدلا ہے کیونکہ اس سے مراد وہ معافی ہے جو بطیب خاطر ہو۔

۱۲ اس مثال میں بجائے خاضعة خاضعین اور بجائے قانتات قانتین اور بجائے ناصر کے ناصر
ناصرین اور بجائے حاجز کے حاجزین لائے ہیں۔

یہاں پر بھی لفظ انسان کے مفرد لانے کی وہ ہی وجہ اس جنس ہونا ہو چکھا انسان یعنی
 بنی آدم کذب قوم نوح المرسلین ای نوح واحدہ چونکہ تمام رسول وحدانیت کی تعلیم کرتے ہیں تو
 گویا ایک کی تکذیب تمام کی تکذیب ہو۔ انا فتحنا لک بجائے انی فتحنا لک انا نقادرون ای
 انی نقادور یعنی انا نقادرون بجائے انا نقادور آیا ہے ولکن اللہ سلیط رسالہ ای سلیط محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم یعنی بجائے محمد کے رسالہ لائے ہیں الذین قال لهم الناس ای عروۃ التقفی دحدہ
 یہاں انہم جنس سے خاص فرد یعنی عروۃ تقفی مراد ہے اور الناس بجائے اس کے مستعمل ہو
 چکا۔ ر فاذا قہا اللہ لباس الجوع یعنی ذائقہ جزع اور گھبراہٹ کا یہاں پر طعم کو لباس
 سے اس لئے بدلا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ لاغری اور پڑ مردگی انسان کے لئے بھوک
 کا اثر ہے جو تمام بدن کو مثل لباس کے عام اور شامل ہوتی ہو پ راصبغۃ اللہ ای بن اللہ
 یہاں پر دین کو صبغۃ سے اس لئے بدلا ہو تاکہ ظاہر ہو جائے کہ دین سے نفوس ایسے رنگے جاتے
 ہیں جیسا رنگ سے کپڑا یا قول نصاریٰ کی مشاکلت ہو کہ وہ بوقت لادت رنگ میں غوطہ دیتے ہیں
 اور کہتے ہیں کہ دین میں داخل ہو گیا۔ و طور سینین لے طور سینا۔ سلام علی الیاسین
 ای علی الیاس دونوں اسم رعایت قافیہ کی وجہ سے بدلے گئے ہیں۔
 اور کبھی کسی حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لائے ہیں۔ امثلہ پ ر فلما تجلی ربہ للجبیل ای
 علی الجبل کوہ طور پر تجلی ربانی کی وہی صورت تھی جو اس سے پہلے شجر پر ہو چکی ہو۔ ہم ہما
 سابقون ای الیہما سابقون بجائے الی کے لام آیا ہے پ ر لایخاف لری المرسلون
 الامن ظلم ای لکن من ظلم استیناف یعنی علیحدہ کلام ہو لا صلیبکم فی جزوع النخل بجائے علی فی
 آیا ہو ام ہم سلم یستمتون فیہ ای یستمتون علیہ یہاں پر بھی فی علی کی جگہ آیا ہے۔ السما ومنفطر بہ
 ای منفطر فیہ بجائے فی کے بالائے ہیں۔ مستکبرین بہ ای عنہ یہاں عن با سے بدلا گیا ہے
 اخذتہ العزۃ بالاثم ای حملتہ العزۃ علی الاثم یہاں با علی کے بجائے آیا ہے اور
 احذ بمعنہ حمل ہے فاسال بہ خیر ای فاسال عنہ یہاں عن کی جگہ با آیا ہے

لَا تَكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ أَيْ مَعَ أَمْوَالِكُمْ۔ اِنِّی الْمُرَافِق۔ اِی مَعَ الْمُرَافِق۔ ہر دو مثال میں اِی مَعَ کی جگہ مستعمل ہوا ہے۔ پشرب بہا عباد اللہ شرب مہنہا با من کی جگہ لائی گئی ہے و ما قدرہ واللہ حق قدرہ اذ قالوا اما انزل اللہ علی بشر من شئ اِی ان قالوا یہاں اذ بجائے ان لایا گیا ہے۔

اور کبھی کسی جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک جملہ دوسرے جملہ کے حامل معنی اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرتا ہے تو ایسے موقع پر جملہ اولیٰ کو دوسرے جملہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً پ ۱۲ وان تخالطوہم فاخوانکم اِی ان تخالطوہم لا باس بذلک کیوں کہ وہ مختارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان باہمی مخالطت اور میل جول ہے مثال ہذا میں چونکہ فاخوانکم لا باس کے حامل معنی پر دلالت کرتا ہے لہذا بجائے لا باس بذلک فاخوانکم فی الدین لے آئے پ ۱۲ المتوبۃ من عند اللہ خیر اِی لوجدوا ثوابا متوبۃ من عند اللہ خیر۔ اس آیت میں بھی المتوبۃ چونکہ لوجدوا کے حامل معنی پر دلالت کرتا ہے لہذا اوٹے بجائے ثانیہ کے رکھا گیا پ ۱۲ ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل اِی ان سرق فلا عجب لانه سراق اخ له من قبل۔ اس آیت میں بھی آیت ثانیہ کی چونکہ وہ معنی سمجھے جاتے تھے اس لئے جملہ اولے کی ضرورت نہ رہی من کان عدو الجبریل فانه نزله علی قلبک باذن اللہ اِی من کان عدو الجبریل فان اللہ عدوہ یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہے تحقیق اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ جبریل تیرے قلب پر اسی کے حکم سے نازل کرتا ہے پس جبریل کا دشمن اس امر کا مستحق ہے کہ اللہ اس سے دشمنی کرے۔ یہاں آیت ثانیہ کی وجہ سے فان اللہ عدوہ کو حذف کر دیا ہے اور اس کے بدل فانه نزله علی قلبک لائے ہیں۔

اور بعض اوقات ابدال کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اصل کلام تنکیر کو چاہتا ہے لیکن اس میں لام یا اضافت کو داخل کر کے تصرف کرتے ہیں، مگر وہ کلام اپنی اسی سابق تنکیر

پر رہتا ہے چنانچہ وقیلہ یارب ای رب قیل لہ یارب قیلہ یارب اس لئے بدلا گیا ہے کہ یہ لفظ اس کے اعتبار سے زیادہ مختصر ہے حق الیقین ای حق یقین اس لئے اضافت کیا گیا ہے کہ تلفظ میں زیادہ آسان ہے، اور کہی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا تذکیر ضمیر یا تانیث یا افراد ہوتا ہے مگر اس کو اقتضا طبعی سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مؤنث اور مؤنث کے بدلے مذکر اور مفرد کے عوض جمع صرف معنوں کا خیال کر کے لاتے ہیں مثلاً فلما رای الشمس بازغۃ قال ہذا ربی ہذا اکبرتا من القوم الظالمین اس آیت میں اسم اشارہ مذکر بجائے مؤنث کے استعمال کیا گیا ہے مثلاً کمل الذی استوقد ناراً فلما اضاءت ما حولہ ذهب اللہ بنورہم اس آیت میں ضمیر جمع بجائے ضمیر مفرد لائے ہیں اور کسی وقت بجائے تثنیہ کے مفرد ذکر کرتے ہیں جیسے الا ان اعنہم اللہ ورسولہ من فضلہ میں فضلہ بجائے فضلہما ہے ان کنت علیٰ ینبۃ من ربی وانا فی رحمۃ من عنده فمیت علیکم اصل میں فمیتا تھا مفرد اس لئے لائے کہ دونوں مثل شے واحد کے ہیں، اور اسی کے مثل اللہ و رسولہ اعلم ہے۔

اور کہی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا ہوتا ہے کہ جزا کو صورت جزا میں، اور شرط کو صورت شرط میں اور جواب قسم کو اس کی اصلی صورت میں ذکر کیا جائے کسی خاص معنی کی جانب میلان کی وجہ سے اس میں تصرف کرتے اور ان اجزاء کو مستقل بنا دیتے ہیں، اور ساتھ ہی ایک قرینہ بھی قائم کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے اصل عدم استقلال کی جانب کسی نہ کسی طریقہ سے دلالت کرتا ہے، والنازعات غرقاً والناشطات نشطاً والسابحات سبحاً فالساقات سبقاً فالمدبرات امرالویم ترجعت الراجفۃ۔ معنی یہ ہیں کہ حشر و نشر حق ہے یوم ترجعت اس پر دلالت کرتا ہے والسماء ذات البروج والیوم الموعود شاہد و مشہود قتل اصحاب الاخذ والنازعات معنی یہ ہیں کہ اعمال کی مجازاۃ حق ہے، اذا السماء انشقت واذنت لربہا وحققت واذالارض مدت والقت ما فیہا ونخلت واذنت لربہا وحققت یا یہا الان

اتک کا دح - معنی یہ ہیں کہ حساب اور جزا ہونے والے ہیں
 اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلوب کلام کو منقلب کر دیا جاتا ہے مثلاً اسلوب کلام
 خطاب کو مقتضی ہوتا ہے اور غائب لے آتے ہیں جیسا کہ حتی اذا کنتم فی الفلک جریں
 بہم برک طیبہ میں بہم بجائے کم کے لایا گیا ہے اور کبھی انشا کو خبر کے اور خبر کو انشا کی جگہ
 استعمال کرتے ہیں مثال ۲۹ رنا مشوا فی مناکبہا ای فمشوا ان کنتم مؤمنین ای ایما نکم
 یقتضی ہذا - اس مثال میں جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کے جگہ مستعمل ہوا ہے من اجل ذلک
 کتینا علی بنی اسرائیل - معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے حال پر قیاس کر کے ہمنے فرض کیا ہے یا اولاً
 آدم کی مثال حال پر قیاس کر کے فرض کیا ہے - مثال حال سو من اجل ذلک بدلا گیا
 ہے کیوں کہ قیاس بدون ملاحظہ علت نہیں ہوتا گویا کہ قیاس تعلیل کی قسم ہے - اریئت اصل
 رویت سے استفہام ہے کیوں کہ ہمزہ استفہامیہ ہے مگر یہاں پر اسلئے تاکہ استماع کلام آئندہ
 پر تنبیہ ہو استفہام سے نقل کر لیا ہے، چنانچہ یسبح می بینی یسبح می شنوی دیکھنا ہے کچھ سنتا
 ہے، عام طور سے بولتے ہیں، اور تقدیم و تاخیر سے بھی معنی کے سمجھنے میں دشواری پیدا
 ہوتی ہے اس کی مثال یہ مشہور شعر ہے ۵

بئینہ شائہا سلبت فوادى بلا جرم ایت بہ سلاما
 یہاں پر بئینہ جو فاعل سلبت ہے مقدم کیا گیا ہے اسکی وجہ سے فہم معنی میں کچھ دشواری
 ہو گئی ہے اور امر بعید سے تعلق اور اسکے مماثل اشیا بھی کلام میں گنجلک پیدا کرتے ہیں مثال
س۱۱ الا آل لوط انا لم یحکم جمیع الامر انہ یہاں استثنایہ استثنایا لایا گیا ہے اس سو دشواری
پیدا ہو گئی فماید بک بعد بالذین قول سابق یعنی نقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم متوصل
س۱۲ یدعو لمن صرہ اقرب من نفعہ ای یدعو من صرہ یعنی اس کے ضرر سے بچا رہا ہے س۱۳
لتنور بالعصبۃ اولی القوۃ ای لتنوار العصبۃ بہا س۱۴ واسحو ابرؤ سکم دار حکم ای اغسلوا ارجلکم
 یعنی ارجل مکسور نہیں جو اسحو کے تحت میں ہو بلکہ منصوب ہے س۱۵ ولولا کلمۃ سبقت من ربک

لکان لزاماً د اہل مسمی ای د لولا کلمہ سبقت اہل مسمی لکان لزاماً یعنی اہل مسمی کلمہ پر معطوب ہے
 لزاماً پر نہیں سزا ان لا تفعلوه تکن فتنہ فعلیکم النص سے متصل ہو سزا الاول ابراہیم کانت
 لکم اسوة حسنة فی ابراہیم سے متصل ہے یسئو ناک کانت حنی عنہا ای یسئو ناک عنہا کانت حنی
 سنن طبعی پر زیادتی کی چند اقسام ہیں، یہ زیادتی کبھی صفت سے حاصل ہوتی ہے
 ۱۰۰۔ ۱۔ ولا طائر یطیر بجنایہ۔ ۲۹۔ ۲۔ خلق الانسان ہلوا اذا مسه الشر جزوعاً و اذا مسه الخیر
 منوعاً اور کبھی ابدال سے۔ ۸۔ ۳۔ للذین استضعفوا من آمن منہم اور کبھی عطف تفسیری سے
 ۲۴۔ ۴۔ متی اذا بلغ اشده وبلغ اربعین سنۃ اور کسی وقت تکرار سے ۱۱۔ ۱۲۔ ما تتبع الذین
 یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا النطن یہاں اصل کلام یوں ہو ما تتبع الذین
 یدعون من دون اللہ شرکاء الا النطن۔ ۱۱۔ ۱۔ ولما جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم وکانوا
 من قبل یتفتخون علی الذین کفروا فلما جازہم ما عوذوا کفروا بہ سراً و لیخشا الذین یوترکون من
 خلقہم ذرئۃ ضعیفاً خافوا علیہم فلیتقوا اللہ اس آیت میں تکرار معنی ہو یعنی خشیہ اور خوف ایک معنی میں ہو
 اور خافوا مکرراً یا ہو ۲۔ ۳۔ یسئو ناک عن الابلہ قل ہی مواقیت للناس الرج یعنی ابلہ ہلال، لوگوں کیلئے
 اسلئے مواقیت ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے انکے ساتھ انکے کو توقیت اور حج شروع فرمایا ہو اس اعتبار
 سے کہ حج کیلئے ان کیساتھ توقیت حاصل ہو اگر ہی مواقیت للناس فی حج کہاجاتا تو مختصر
 ضرور ہوتا لیکن اس مقام پر کلام طویل لایا گیا ہو سزا لتنذر ام القری دمن حولہا و تنذر
 یوم الجمع ای تنذر ام القری یوم الجمع سزا و تری الجبال تحسبہا جامدة ای تری الجبال
 جامدة چونکہ رویت چند معنی کے لئے آتی ہے اس واسطے حسابان زیادہ کر دیا گیا تاکہ معلوم
 ہو جائے کہ رویت بمعنی حسابان ہے۔ ۲۔ ۱۳۔ کان الناس امت واحدۃ فبعث اللہ النبیین
 مبشرین و منذرین و انزل معہم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ و ما اختلفت
 فیہ الا الذین اوتوه من بعد ما جازتہم البینات بغیاً بینہم فہدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا
 فیہ من الحق باذنه و اللہ یدہی من یشاء الی صراط مستقیم۔ مابین کلام منتظم کے جو جملہ

وما اختلف فيه الا الذين اوتوه داخل کیا گیا ہوا اسکی وجہ یہ ہے تاکہ ضمیر اختلفوا کا بیان اور مراد اختلاف کا اظہار ہو جائے کہ یہاں پر اختلاف سے کیا مراد ہے امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد جو اختلاف واقع ہوا ہے کہ بعض ایمان لائے اور بعض نہیں یہی اختلاف مراد ہے اور بعض اوقات اضافت کیلئے فاعل یا مفعول پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں اور حرف جر کے ذریعہ سے اسکو مفعول فعل تاکید اتصال کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ۱۔ ۱۱ یوم حجی علیہا اسی گجی ہی آیت ہذا میں علی زیادہ کیا گیا ہے۔ ۶۔ ۱۱۔ وقفینا علی آثار ہم بعیسی ابن مریم اسی قضینا ہم بعیسی ابن مریم اس آیت میں علی آثار بڑھایا گیا ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ معلوم کر لینا چاہیے کہ حرف واو بہت جگہ تاکید اتصال کی عوض سے آتا ہے اور عطف کیلئے نہیں ہوتا اذ وقعت الواقعة وکنتم ازواجاً ثلاثہ۔ وفتح البواہرہ وینحصر بشدیہ تمام مثالیں تاکید اتصالی کی ہیں یہاں پر واو عطف کے لئے نہیں ہے اور حرف فابھی یوں ہی زائد آتا ہے۔ قسطانی نے باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج ہل یجر من طواف الوداع میں بیان کیا ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان ہل انکی تاکید اتصال کیلئے حرف عاطف کا لانا درست ہے مثلاً ۱۔ ۳ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف صفت ہیں۔ حرف واو جو درمیان میں ہے عطف کیلئے نہیں تاکید اتصال کی واسطے ہے۔ سیدہ یہ کہتا ہے کہ یہ مررت بزید و صاحبک کے مثل ہے۔ جب کہ اس کلام میں صاحب سے زید ہی مراد ہو۔

اور ۱۲۔ ۱۱ وما اہلکنا من قریۃ الا دلہا کتاب معلوم کے ذیل میں منخشی کہتا ہے کہ یہ جملہ دلہا کتاب معلوم، لفظ قریہ کی صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت موصوف کے درمیان واو نہ آئے۔ مثلاً قوله تعالیٰ وما اہلکنا من قریۃ الا ہا منذرون لیکن یہاں پر واو صفت و موصوف کے اتصال کی تاکید کیلئے آیا ہے جیسا کہ حال میں بھی کہا جاتا ہے

حبار فی زید علیہ ثوب و جار فی و علیہ ثوب انتہی۔

اور کبھی ضمیر کی پراگندگی، اور ایک کلمہ سے دو معنی کا مراد لینا فہم مراد میں دشواری لاتا ہے۔ ۱۵-۲۵۔ وانہم لیصدونہم عن السبیل و یحبون انہم یتدوون، یہ انتشار ضمیر کی مثال ہے یعنی ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل و یحبون انہم یتدوون یہ شیاطین آدمیوں کو راستہ سے روکتے ہیں اور وہ یعنی انسان اپنے ہتد ہونیکا گمان کرتے ہیں، ہسم کی ضمیر شیاطین کی جانب پھرتی ہے اور لیصدونہم کی ناس کیطرت و یحبون سے ناس ہی مراد ہیں یہ انتشار ضمیر کی صورت ہے۔ وقال قرینہ ایک جگہ شیطان مراد ہے اور دوسری جگہ فرشتہ یہ مثال ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی ہے۔

۲-۱۰۔ یسئلونک ماذا ینفقون فلما نفقتم من خیر ہر دو آیت کے دو معنی ہیں اول معنی ۲-۱۱۔ یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو انفاق ما ینفقون فی ای نوع من الانفاق ینفقون یعنی خرچ کرنے کی جس قسم سے وہ خرچ کرتے ہیں اور یہ مصرف سے دریافت کرنے پر صادق ہے کیونکہ خرچ کرنا مصارف کے اعتبار سے چند قسم ہے یعنی ثانی ای مال ینفقون یعنی جو مال تقسیم کرتے ہیں۔

اور لفظ جعل و شنی وغیرہ کا معانی مختلفہ کیلئے مستعمل ہونا بھی اسی قبیل سے ہے یعنی ہم مراد میں صعوبت پیدا کرتا ہے جعل کہی تو خلق کے معنی میں آتا ہے جیسے جعل لظلمات والنور میں یعنی تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور کہی معنی اعتقد کے ۸-۳۔ وجعلوا للہ حاذرا اور لفظ شنی کہی فاعل اور کہی مفعول مطلق کی جگہ آتا ہے۔ ۲۴-۴۔ ام خلقوا من غیر شئی امی من غیر خالق یعنی کیا وہ بغیر خالق کے پیدا کئے گئے ہیں یہاں پر شے بجائے خالق کے مستعمل ہوئی ہے۔ ۱۵-۲۱۔ فلا تسکینی عن شے ای عن شے مایوقوف فیہ من امری یعنی اور میرے کاموں میں سے ابھی چیز کی نسبت جس میں تجھ کو تامل ہو سوال نہ کر اور لفظ امر و نباہ و خطب سے کسی وقت مخبر عنہ (قصہ) مراد لیتے ہیں ہونباہ غظیم اسی قصہ عجیب

یعنی وہ عجب قصہ ہے، علیٰ ہذا الفاظ خیر و شر اور ان کے ہم معنی الفاظ ہر مقام پر بدلے جاتے ہیں۔

اور انتشار آیات بھی اسی قبیل سے ہے مثلاً ایک آیت جس کا اصلی موقع قصہ کے ختم کرنے کے بعد ہے اسکو کہی قصہ کے تمام ہونے سے پیشتر ہی بیان کر دیتے ہیں اور پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے اور اسکو تمام کرتے ہیں، اور کوئی آیت کہی نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے۔ ۲۔ اقد نری قلب دجھک نزول میں مقدم ہو اور سيقول السفہاء مؤخر لیکن تلاوت میں قصہ برعکس ہو۔ اور کسی وقت جواب کو کفار کے کلام کے درمیان میں ذکر کیا جاتا ہو ولاتؤمنوا الا لہن تبع وینکم قل ان الہدی ہدی اللہ ان یوتی احد مثل ما اوتیتم۔

الحاصل یہ مباحث نہایت تفصیل چاہتے ہیں لیکن ہم نے جس قدر بیان کیا وہ کافی ہے۔ سعادت مند طالب علم اگر ان مسائل کو دل میں جاگزیں کر لے گا تو وہ کلام اللہ پڑھتے وقت ازنی غور سے بات کی تہ کو پہنچ جائیگا اور امور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کر کے ایک مثال سے دوسری مثالوں تک اس کی رسائی ہو سکے گی۔

جاننا چاہئے کہ محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس سے زبان کا جاننے والا سوائے ایک معین معنی کے نہ سمجھ سکے مگر اس سمجھنے میں اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ ہمارے زمانے کی بال کی کھال نکالنے والوں کا جن کی موٹنگانی ایک ایسا سخت ترین مرض ہے جس کے ذریعہ سے وہ محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا ڈالتی ہیں۔

اور متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو۔ یا ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے جیسا کسی نے کہا ہوا ان الامیر امرنی ان العن فلانا لعنہ اللہ یعنی مجھ کو امیر نے حکم کیا ہے کہ فلاں شخص کو لعنت کر دوں اللہ اسکو لعنت کسے یہاں اشتباہ ہے کہ اس کو لعنت کرنے سے کیا مراد ہے آیا شخص مامور ہو یا آمر اور

یا اسوجہ سے کہ وہ کلمہ دو معنی میں مشترک ہو مثلاً لاسم جاع اور چھو نے میں مشترک ہے اور یا اسوجہ سے کہ قریب اور بعید دونوں پر عطف کا احتمال ہو مثلاً واسخو ابروکم و احبکم در صورت قرآۃ کسرہ یا یہ کہ عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو جیسے وما یعلم تا و یلہ لا اللہ والراسخون فی العلم۔

اور کنایہ اس کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی حکم کو ثابت تو کیا جائے مگر حاصل اس حکم کا اثبات مقصود نہ ہو بلکہ یہ منظور ہو کہ اس سے مخاطب کا ذہن ایسی شے کی طرف منتقل ہو جائے جو اس حکم کو عادت یا عقلاً لازم ہو۔ مثلاً عظیم الریاء سے ہمانداری کی کثرت اور اور یداہ مبسوطتان سے سخاوت سمجھ میں آتی ہے۔ اور اپنے مراد کی تصویر محسوسات سے کھینچنا بھی کنایہ کے ہی قبیل سے ہے۔ اور یہ ایک نہایت وسیع باب ہے جس سے عربوں کے اشعار و خطبات اور کلام اللہ و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں۔ مثلاً واجلب علیہم بخلیک درجہ ایک اس جگہ ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ وہ (غارت گری کے وقت) اپنے ساتھیوں کو لٹکا رہا ہے کہ اوہر سے حملہ کرو اور اس طرف سے گھس پڑو وجعلنا فی اعناقہم اغلالاً۔ اس آیت میں تدبر آیات سے کفار کے اعراض کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو یا تو زنجیروں سے جکڑ دیا ہو یا اس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کر دی گئی ہوں تاکہ وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور مثلاً و انہم الیک جناح من الرہب یعنی خاطر جمع رکھو اور پریشانی کو دور کر دے۔

اور عام محاورہ میں اسکی نظیر یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کی شجاعت کا بیان کرتے ہیں تو تلوار کے ایک دو ہاتھ ادھر ادھر جھاڑ کر بتاتے ہیں کہ وہ یوں تلوار چلاتا ہے گو اس نے مدت العمر تلوار ہاتھ میں نہ پکڑی ہو۔ لیکن اس فعل سے مقصود اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے زمانہ میں سب زیادہ بہادر ہے یا کسی کا مقولہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ زمین پر کسی کو ایسا بہادر نہیں پاتا جو مجھ سے مقابلہ کی تاب کہتا ہو

یا کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے اور ایسی ہیئت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار فتح محمد پہلوان اپنے حریف کے مغلوب ہونیکے وقت کرتا ہے۔ اگرچہ اسنے کبھی یہ کلمہ نہ کہا ہو یا فعل نہ کیا ہو، یا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص میرا گلوگیر ہو رہا ہے یا فلاں شخص نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر بقیہ نکال لیا ہے۔ ان تمام صورتوں کو از قسم تصویر سمجھنا چاہیئے۔

تعریف یہ ہے کہ حکم تو عام ہو لیکن مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی خاص شخص کے حال پر تنبیہ کرنا ہو اور اس کی بعض خصوصیات کلام میں لائی جاویں اور مخاطب کو اس شخص سے واقف نہ کیا جاوے۔ اس قسم کے مقامات میں قرآن مجید کا پڑھنا والا اگر ان خاطر رہتا ہو اور اس قصہ کا محتاج ہوتا ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی خاص شخص کے فعل پر انکار کرنا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔ کیا حال ہوا ان لوگوں کا جو ایسا کرتے ہیں، اسی طرح اس

آیت میں ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ“ اور کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ شایان نہیں ہو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (انکے بارے میں) کوئی بات ٹھہرا دیں تو اس بات میں سکا اپنا اختیار باقی رہے حضرت زینبؓ حضرت زید رضی اللہ عنہما کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، اور آیت ”وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ“ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے ایسی صورتوں میں جب تک قصہ نہ معلوم ہو مطلب سمجھ میں نہیں آتا مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقتہ میں سکا کا عامل نہیں ہے اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنائیں جو درحقیقت مفعول بہ نہیں ہو، اس مشابہت کے علاوہ کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے متکلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی ان میں داخل

۱۵ اور تم میں سے جو لوگ بزرگ منش اور صاحب مقدور ہیں وہ اپنی قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد خرچ نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے خالہ زاد بھائی مسطح کی مدد نہ کریں گے جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ واللہ میں کبھی اپنا احسان اس سے منقطع نہ کروں گا۔ (تفسیر تبصیر الرحمن جلد دوم)

اور انکی جنس سے ہے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا حالانکہ بنانے والے مہار ہوتے ہیں بہار نے سبزہ اگایا حالانکہ حقیقت میں لگانے والا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہے واللہ اعلم بالصواب

باب سوم

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں۔ اور یہ بحث تین فصلوں میں بیان کی جائے گی
فصل اول۔ قرآن مجید کو مثل معمولی کتابوں کے ابواب اور فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر بحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا، بلکہ قرآن مجید کو مثل مجموعہ مکتوبات کے فرض کرنا چاہیے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت و وقت ایک فرمان لکھتے ہیں اوس کے بعد دوسرا و تیسرا فرمان لکھتے ہیں یہاں تک کہ بہت سو فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے اس طرح اس بادشاہ علی الاطلاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ہدایت کیلئے حسب ضرورت وقت قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر ایک سورت جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی، آپ نے انکو دون نہیں فرمایا تھا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کیا تھا جمع کی گئیں، اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قرآن مجید کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں، اول طوال جو سب بڑی سورتیں ہیں۔ دوم متین جن میں سورتیں ہر ایک کی تئو آیتیں یا تئو سے کچھ زیادہ ہیں، سوم مثانی جن کی آیتیں تئو سے کم ہیں چہارم مفصل قرآن مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی کی قسم سے تھیں وہ متین میں داخل کی گئیں اس لئے کہ انکا سیاق متین کے سیاق سے مناسبت رکھتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور بھی تصرف کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیج دیئے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھا دیں اور کسی دوسری

ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں

چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب پوری مناسبت رکھتا تھا اس لئے سورتوں کی ابتداء اور انتہا میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کئے جاتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے اور شقے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں نیز بعض مکتوب طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں، اسید طرح خداوند جلّت عظمت نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا اور بعض کو بیان غرض سے چنانچہ فرمایا ”ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین“ سورۃ النزلنا ہا و فرضنا ہا، یہ قسم اس عنوان کے مشابہ ہے جو دستاویزوں کے آغاز میں لکھا جاتا ہے مثلاً ”ہذا ماصالح فلان وفلان و ہذا ما اوصی بہ فلان“ یا جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا ”ہذا ما قاضی علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں جیسا کہ فرمایا ہے ”تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم۔ کتاب حکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر“ یہ قسم اس کے مشابہ ہے جیسا کہ لکھا جاتا ہے ”حکم بارگاہ خلافت سے صادر ہوتا ہے یا باشندگان فلاں شہر کو بارگاہ خلافت سے آگاہ کیا جاتا ہے“ اور جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا ”من محمد رسول اللہ لے ہر قل عظیم الروم“ اور بعض سورتیں بطور

۱۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں پہنچ سکتے ہیں کی رہنما ہے۔ یہ سورۃ ہے جس کو ہم نے اتارا۔

۲۔ یہ وہ ہے جس پر فلاں و فلاں نے باہم صلح کی۔ یہ وہ ہے جس کی فلاں شخص نے وصیت کی۔

۳۔ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا۔

۴۔ یہ فرمان تحریری پیشگاہ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ قرآن

ایسی کتاب ہے کہ حکمت والے باخبر اللہ کی طرف سے اسکی آیتیں مستحکم اور مفصل کی گئی ہیں۔

رقعوں اور عشقوں کے بغیر عنوان کے ہیں جیسا کہ اذاجارک المنا ققون۔ قد سمع اللہ قول
التي تجادلک نے نزو جہا۔ یا یہا البنی لم تحرم ما حل اللہ لک۔

چونکہ عرب کا مشہور فصاحت کا نمونہ قصائد ہیں اور وہ اپنے قصیدوں کے آغاز میں
عجیب غریب مقامات اور ہولناک اقعات کے ساتھ تشبیب کرتے تھے اور یہ رسم
قدیم سے ان کے یہاں چلی آتی تھی خداوند تعالیٰ نے بعض سورتوں میں اس
اسلوب کو اختیار فرمایا۔ مثلاً۔ والصافات صفاتاً لزا جرات زجراً۔ والذاریات

ذرواً فالجالات وقرأ۔ اذا الشمس کورت واذالبحوم انکدرت۔ اور جس طرح کہ مرکاتیب
کو کلمات جامعہ اور وصایا کے نادرہ اور احکامات سابقہ کیلئے تاکیدات اور ان کی مخالفت
کرنے والے کے لئے ہتھکڑیاں پر تمام کرتے ہیں ایسی ہی خداوند تعالیٰ نے بھی سورتوں کے
آخری حصہ کو کلمات جامعہ اور حکمت کے سرشتیوں اور تاکیدات بلیغہ اور ہتھکڑیاں عظیمہ پر ختم
فرمایا۔ اور کہی سورۃ کے درمیان میں کوئی نہایت مفید اور نزلے اسلوب کا بلیغ کلام مثلاً
حمد و تسبیح یا بیان انعام و احسان شروع کیا جاتا ہے۔ مثلاً اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے خالق
اور مخلوق کے مرتبہ کے فرق سے شروع کیا ہو قل الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفوا اللہ
خیر الما یشرکون، اور اسکے بعد پانچ آیتوں میں سی مدعا کو نہایت بلیغ طریقوں اور نزلے اسلوب
کیساتھ بیان فرمایا۔ اور مثلاً خداوند جل شانہ نے سورۃ بقرہ کے اندر نبی اسرائیل کی مناظرہ بینی اسرائیل

لہ خالق اور مخلوق کا فرق مراتب جو اس آیت میں بالا جمال بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل
جن پانچ آیتوں میں کی گئی ہے وہ مع ترجمہ اردو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

أَمْ خُلِقَ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ وَأَنْزَلْنَا
لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَبًّا
ذَاتَ بَحْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا
شَجَرَ هَاطِلاً مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ
بَعَثْنَا سَبَإَ بَنِي إصْرَاجَاق
بَعَثْنَا سَبَإَ بَنِي إصْرَاجَاق
بَعَثْنَا سَبَإَ بَنِي إصْرَاجَاق

ذکر و انعمتی النبی انعمت علیکم سے شروع فرمایا۔ اور آگے جا کر اس مناظرہ کو اسی کلمہ پر ختم فرمایا۔
مناظرہ کی ابتدا جس کلام سے ہو اسی پر اس کا ختم کرنا بلا غت و اعتبار سے نہایت بڑبڑست
مقام رکھتا ہے، اور ایسے ہی اہل کتاب سے مناظرہ سورہ آل عمران کے ابتدائی حصہ میں آیت
سے شروع فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ محل نزاع (مبحث) کی تعیین اول
ہو جائے اور آئندہ گفتگو اسی ایک مدعا پر کی جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فصل دوم

جیسا کہ قصائد اشعار پر منقسم ہوتے ہیں ایسے ہی اکثر سورتوں میں سنت اللہیوں
جاری ہے کہ وہ آیات پر منقسم ہوتی ہیں مگر آیات اور اشعار میں فرق ہے۔ آیات اور بیتا
دونوں جواز قسم نشید ہیں متکلم اور ساری مع کے التذاذ نفس اور حظ طبعی کے لئے النفا کی جاتی ہیں
لیکن ابیات عروض اور قافیہ کی پابند ہوتی ہیں جن کو غلیل بخوی نے مدّن کیا ہے۔ اور عام شعراء
نے انہیں اس سے جاہل کیا ہے اور آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن و قافیہ پر
ہوتی ہے جو امر طبعی سے زیادہ تر مشابہ ہے اور عروضیوں کے غلیل تفاعیل اور انکے معین کردہ
توافی پر نہیں ہوتے جو محض مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں، اور اس امر عام کی تنقیح جو آیات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲)

کرتے ہیں، بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنی جگہ اور
بنائیں سکے بیچ میں یاں اور کہے اس میں جو چھو اور کھی دو
دریاؤں میں اوطاب کوئی اور حکم ہو اللہ کیسے
کوئی نہیں) مگر ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے بھلا
کون ہے جو پھنسے کی پکار کو پہنچتا ہے جب اسکو پکارتا ہے اور

يَعْدُونَ ۚ اَمْ مَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَجَعَلَ خِلَالَهَا اَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ جَبْرًا
ۚ اِلَّا مَعَ اللّٰهِ بَابِلٌ اَلْتَرْتُّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
اَمْ مِّنْ مَّجْبُوبٍ الْمُصْطَفٰۤى اِذَا دَعَا وَيَكْشِفُ

اور آیات میں مشترک ہو اور جسکو ہم نے تشدید سے تعبیر کیا ہے اور پھر ان تمام امور کو ضبط کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے اور جو بمنزلہ فصل کے ہے زیادہ تفصیل چاہتا ہے اللہ ولی التوفیق تفصیل اس جال کی یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ فطرت سلیم موزوں اور مقفی قصائد اور نفیس رجزوں وغیرہ سے ایک خاص لطف اور خاص ذوق حلاوت کا احساس کرتی ہے اگر اس احساس کے سبب کی جستجو کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسا کلام جس کے اجزاء باہم موافقت رکھتے ہوں مخاطب کے نفس میں ایک قسم کی لذت دیتا اور اسکے مثل دوسرے کلام کا انتظار اسکے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور جب اسکے بعد دوسرا شعر اسی موافقت اجزاء کے ساتھ مخاطب کے نفس پر واقع ہوتا ہے اور جس چیز کا انتظار تھا وہ موجود ہو جاتی ہے تو لذت سابق دوبالا ہو جاتی ہے اور اگر وہ دونوں بیت قافیہ میں بھی شریک ہوں تو وہ لذت سے چند ہو جاتی ہے پس انسان کی قدیم فطرت کا یہی راز ہے جس کی بنا پر اس کو اشعار سے لذت حاصل ہوتی ہے اور معتدل اقلیم کے تمام سلیم المزاج اشخاص اس اصول میں باہم متفق ہیں لیکن ہر بیت کے اجزاء کے موافق اور قافیہ کے شرائط کی نسبت جو اشعار میں مشترک ہوتا ہے ان کے مسلک یا ہم مختلف اور ان کے عادات متبائن ہو گئے ہیں اہل عرب ایک خاص قانون رکھتے ہیں جس کی تشریح خلیل نے کی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں دوسرا طریقہ ہے جو ان کے سلیقے اور مذاق کے تابع ہے، علیٰ ہذا القیاس ہر زمانے کو لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی اور ایک خاص شاہراہ قائم کر کے اس پر چلے ہیں اگر ہم ان متبائن عادات اور مختلف رسوم میں امر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳

اللَّهُمَّ وَاجْعَلْكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ
عَالِهِ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَدْكُرُونَ
أَمَّنْ يَهْدِيَكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الدُّرِّ وَالْبَحْرِ

مالدیتا ہے مصیبت کو اور کرتا ہے تم کو نائب زمین
پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے سوا۔ مگر تم غور فکر کرتے
ہو بھلا کون راہ بناتا ہے تمکو اندھیری میں جھگڑا اور دریا

جامع اور مشترک کی دریافت کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اجزائے کلام میں تختہ ہوا
و مناسبت کے سوا کوئی دوسری شے نہیں ہے مثلاً عرب مستفعلن کی جگہ مفاعیلن اور مفتعلن
لے آتے ہیں اور فاعلاتن کے بجائے فعلاتن اور فاعلتن کو لانا باقاعدہ خیال کرتے ہیں اور
وہ ایک بیت کی ضرب کی موافقت دوسری بیت کی ضرب کیساتھ اور ایک عروض کی
دوسری بیت کے عروض کیساتھ ضروری خیال کرتے ہیں اور حشر میں بکثرت زحافات
تجزیہ کرتے ہیں، مگر شعراء فارس کے نزدیک زحافات مکروہ اور قبیح سمجھے جاتے ہیں۔ علی
ہذا شعراء عرب اگر ایک بیت میں قبور اسو تو دوسری بیت میں منیرا اچھا سمجھتے ہیں مگر شعراء
عجم اسکے خلاف ہیں علیٰ ہذا شعراء عرب حاصل و داخل و نازل کو ایک ہی قسم شمار
کرتے ہیں بخلاف شعراء عجم کے وہ ان الفاظ کو ایک قسم شمار نہیں کرتے ایک کلمہ کا وزن
مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ وہ آدھا اول مصرع میں اور آدھا دوسرے
میں شامل ہو عربوں کے نزدیک صحیح ہے مگر شعراء عجم اس کو جائز نہیں رکھتے غرض کہ ان تمام
مذہب میں امر مشترک (جس سے نفس کو التذاذ ہوتا ہے) وہ تختہ موافقت لفظ ہونہ کہ
حقیقی۔ دیکھو باوجودیکہ ہنود نے اپنے اشعار کے اوزان کی بنیاد حروف کی تعداد پر رکھی ہے
اور ان کے یہاں حرکات و سکنات کا لحاظ اوزان میں نہیں کیا جاتا۔ مگر تاہم اس سے

دقیقہ حاشیہ صفحہ ۶۴

رحمت کی اب کوئی حاکم ہے اللہ کیساتھ اللہ ہر ہے	يَا كُنْ رَحْمَةً ۖ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالٰ
اس جو وہ شریک بتاتے ہیں۔ بھلا کون ہے	اللّٰهُ عَمَّا يَشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدُوْا خَلْقَ
جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر بار بار وہی ہے	ثُمَّ يَعْبُدُوْهُ ۚ وَ مَن يَّرْسُدْكُم مِّنَ
مخلوقات پیدا کرتا رہتا ہے اور کون ہے جو تم کو آسمان و	السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ
زمین سے روزی دیتا ہے اب کوئی حاکم ہے	قُلْ هَاتُوْا بُرْهٰنَكُمْ اِن كُنْتُمْ
اللہ کے ساتھ۔ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو	صٰدِقِيْنَ ۝

لذت حاصل ہوتی ہے ہم نے بعض دیہاتیوں کے راگ سُننے میں جن کو وہ حصول لذت کے لئے گاتے ہیں وہ ایک ایسا کلام ہے جس کے اجزا میں تخمینی موافقت ہوتی ہے یا ردیف ہوتی ہے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہے وہ اس کلام کو مثل قصائد کے گاتے اور اس سے لطف حاصل کرتے ہیں غرض کہ ہر ایک قوم کا اپنی نظم کے متعلق ایک خاص قانون ہے علیٰ ہذا القیاس تمام اقوام دلکش آوازوں اور دلغریب نغمات سے لذت پاتے ہیں متفق ہیں مگر گانے کے طریقہ اور اسکے قواعد میں وہ باہم اختلاف رکھتی ہیں، یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کئے ہیں جن کو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکال کر انہوں نے ایک نہایت ہی مبسوط اور مفصل فن اپنے لئے منصب کیا ہے اہل ہند نے چھ راگ بنائے اور ان راگنیاں نکالی ہیں ہم نے اہل دیہات کو دیکھا ہے جو ان دونوں اصطلاحوں سے بیگانہ ہیں انہوں نے اپنے سلیقہ اور ذوق کے موافق ایک خاص ترکیب اور خاص تال ایجاد کر کے چند اوزان کلیات کے انضباط اور جزئیات کے انحصار کئے بغیر مرتب کر لئے ہیں جن سے وہ اپنی محفلوں کو گرماتے اور لذت پاتے ہیں۔

پس جب ہم ان اختلافات کو دیکھتے اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں تو امر مشترک بجز موافقت تخمینی کے اور کوئی شے نہیں نکل سکتی عقل کی نظر صرف اس اجمالی امر پر ہے اور تفصیل سے اس کو کوئی بحث نہیں، اور ذوق سلیم کی محبت فقط اس خالص حلاوت کے ساتھ ہے اور بحر طویل اور مدید سے اس کو غرض نہیں۔

خداوند جل و علی شانہ نے جب اس مشیتِ خاک (انسان) سے ہم کلام ہونا چاہا تو اس نے اسی اجمالی جن کی رعایت فرمائی۔ نہ ان مصطلح قواعد کی جن کو ہر ایک قوم پسند کرتی اور دوسری ناپسند کرتی ہے اور خداوند مالک الملک نے جب چاہا کہ ادیبوں کی روش پر کلام فرمائے تو اس نے صرف اسی اصل بسیط کو اپنے کلام میں منصب فرمایا

ان قوانین کو جو کہ زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔
 فی الحقیقت اصطلاحی قوانین کی پابندی بجز اور جہل کی دلیل ہے اور جن اجالی کی ایسی
 پابندی کہ وہ کلام کی ہر حالت اور بیان کے ہر ایک نشیب و فراز میں جلوہ گر ہے
 بغیر استعمال قواعد مصطلحہ کے بے شک اعجاز اور بشری حد اختیار سے خارج ہے۔ خداوند
 تعالیٰ نے اسی طریقہ کا استعمال فرمایا ہے اس کے ہم ایک قاعدہ کا استنباط کرتے ہیں اور وہ
 قاعدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحر طویل و
 مدید وغیرہ کا۔ اور فاصلوں میں سانس کا ٹھہرنا حرف مدہ پر یا جس پر مدہ ٹھہرے اس کا اعتبار
 کیا ہے نہ کہ فن قوافی کے قواعد کا۔ یہ کلیہ نہایت بسط چاہتا ہے تم کو اس میں سے تھوڑا
 بہت سن لینا چاہیے۔

نرخرے میں سانس کی آمد و رفت انسان کیلئے ایک جلی بات ہے۔ گو سانس
 کی درازی اور کوتاہی ایک حد تک دمی کے اختیار میں ہے لیکن اگر اس کو اپنی طبیعت
 پر چھوڑ دیا جائے تو اس وقت اس کا ایک خاص طول ہوگا سانس نے اول بار
 لینے میں ایک نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ زائل ہونی شروع
 ہوتی ہے حتیٰ کہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور دوسرا سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے
 سانس کی یہ درازی بہم حدود سے محدود اور ایک ایسی منتشر مقدار کیساتھ معین ہے
 کہ اگر دو تین کلموں یا اس امتداد خاص کی تہائی یا چوتھائی مقدار کی کمی بیشی اس مقدار
 سے باہر نہیں کر دیتی اور اس میں اتنا دوا اور اسباب کی تعداد میں بھی فرق کی اجازت
 ہے اور نیز بعض ارکان کے تقدیم کی بھی گنجائش ہے پس سانس کے اسی امتداد کو خدا
 تعالیٰ نے وزن قرار دیا اور اس کی تین قسمیں کیں طویل اور متوسط اور قصیر طویل کی مثال
 سورہ نسا اور متوسط کی مثال سورہ اعراف انعام، اور قصیر کی مثال سورہ شعراء اور خان
 ہیں اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر رکھا گیا ہے جس کا اعتماد کسی حرف پر ہو۔ یہ ایک

وسیع قافیہ ہے جس کا طبیعت ادراک کرتی اور اس کی تکرار سے متلذذ ہوتی ہے اگرچہ وہ حرف
 مدہ کہیں الف اور کہیں دال اور کہیں یٰ ہوتا ہے اور گو وہ حرف اخیر کسی جگہ ہی ہوتا
 ہے اور کہیں سج یا قی اس قاعدہ کی رو سے یعلیٰ و اور مومنین اور مستقیم باہم موافق
 ہیں اور خروج اور مرتخ اور تحید اور تبار و فواق و عجائب سب باقاعدہ علی ہذا حرف
 الف کا آخر کلام میں آنا بھی ایک وسیع قافیہ ہے جس کا احاطہ پوری حلاوت بخشتا ہے
 اگرچہ حرف روی مختلف ہو، دیکھو حضرت حق تعالیٰ ایک جگہ کریم اور دوسری جگہ حدیثا
 اور تیسری مقام پر بصیر افرماتے ہیں اگر حرف روی کی موافقت کا الزام اس موقع
 پر کیا جائے تو گویا خود کو ایک غیر لازمی شے کا پابند بنانا ہے جیسا کہ سورہ مریم اور سورہ
 فرقان کے ابتدائیں واقع ہوئے، علی ہذا آیات کا اتحاد ایک حرف پر مثلاً ایم
 سورہ قتال میں اور نون سورہ رحمن میں حلاوت بخشتا ہے۔ علی ہذا ایک مخصوص جملہ
 کو کلام کے درمیان میں بار بار لانا ہی لذت پیدا کرتا ہے جیسا کہ سورہ شعراء سورہ
 قمر اور سورہ رحمن و مرسلات میں واقع ہے اور کہیں ذہن سامع کی نشاط اور اس کلام
 کے لطافت کی جانب اشارہ کرنے کیلئے سورتوں کے آخری فواصل اول سے
 مختلف کئے جاتے ہیں مثلاً اذآء و قد سورہ مریم کے آخر میں، اور سلاما و کرا سورہ
 فرقان کے آخر میں اور وطن اور ساجدین و یظرون آخر سورہ صاد میں واقع ہے
 حالانکہ ان تمام سورتوں کے شروع دوسری طرح کے فاصلے ہیں، اکثر سورتوں
 کے اندر اس وزن قافیہ کی رعایت جس کو ہم بیان کر چکے ہیں مہتمم با نشان سمجھ گئے
 ہیں، اور آیت کے آخر میں اگر کوئی لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کو قافیہ
 بنا دیا جاتا ہے ورنہ کسی ایسے جملہ سے اس کا اتصال کر دیا جاتا ہے جیسے لا الہ الا اللہ کا ذکر یا
 مخاطب کیلئے تہنیت ہو، مثلاً فرماتے ہیں وہو الحکیم الخیر۔ وکان اللہ علیما حکیم وکان اللہ
 بما تعملون خبیر۔ لعلم تقون۔ ان فی ذلک لآیات لا ولی الا سب۔

ان فی ذلک آیات لقوم تتفکرون۔ اور اسے ہی مقامات رکھیں کہیں کسی قدر اظہار

ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ کا ایک حصہ خطباء کے خطبوں اور عقلائے نکتہ رس کے مراسلات کی طرح پر واقع ہے عورتوں کا قصہ جس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ضرور سنا ہوگا اور اس کے قوافی بھی معلوم ہونگے۔ اور قرآن شریف بعض مواقع میں اہل عرب کے مراسلات کی طرح بلا کسی امر کی رعایت کو واقع ہو جیسا کہ بعض لوگوں کی گفتگو آپس میں ہوتی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کلام ایسی چیز پر ختم کیا گیا ہو جو ختم کرنے کے قابل تھا، اس جگہ یہ نکتہ ہے کہ لغت عرب میں ہاؤ ایسے موقع پر ہوتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے اور کلام میں نشاط باقی نہ رہے اور وقف کیلئے کلام کا حرف مد پر ختم ہونا مستحسن ہے یہی وجہ ہے جس سے آیات کی موجودہ صورت بنی ہے، یہ وہ رموز ہیں جو اس فقیر کو القاء ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

اگر کوئی پوچھے کہ بیگانہ علوم کے مطالب کو قرآن شریف میں بار بار کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہی جگہ پر اختلافیوں نہیں کی گئی اس کا جواب میں یہ بتا ہوں کہ ہم مخاطب کو جو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں اس کے دو مرتبے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ فقط اسکو ایک نامعلوم چیز کی خبر دیں، اس صورت خاص میں مخاطب کو یہ حکم پہلے سے معلوم نہ ہوگا اور اس وقت اس کا ذہن اس کے ادراک سے خالی ہوگا اس لئے ہمارے کلام سنتے ہی اس کو وہ مجہول شے معلوم ہو جائے گی اور وہ اس جان واقف ہو جائے گا۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہم کو کسی علم کی تصویر مخاطب کے دل میں اس طرح ذہن نشین کرنا ہے کہ اس سے مخاطب کو بید لذت حاصل ہو اور اس کے قلبی اور ادراکی قوی اس علم میں بالکل فنا و محو ہو جائیں اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب ہو جائے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک شعر جس کے معنی ہم کو معلوم نہیں ہم یار یار پڑھتے اور ہر بار لذت پاتے ہیں اور اس لذت کی خاطر اسکو مکرر سہ کر پڑھنا ہم کو بھلا معلوم ہوتا ہے قرآن شریف میں بھی علوم بیگانہ کی تعلیم میں دونوں مرتبوں کا لحاظ فرمایا گیا ہے۔ نادانانوں

کے لئے تعلیم مجہول کا طریقہ اختیار فرمایا۔ اور علماء کے نفوس کو ان علوم کی تکرار سے رنگنا چاہا ہے۔ مگر اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوا اسلئے کہ وہاں دوسری قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا یہی وجہ ہے کہ شریعت میں قرآن کو بار بار تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صرف سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا، فرق صرف اس قدر کہا گیا ہے کہ اکثر حالتوں میں ان مسائل کا تکرار تازہ عبارت اور جدید اسلوب میں اختیار فرمایا کہ نفس پر زیادہ مؤثر اور ذہن کے لئے زیادہ لذت بخش ہو۔ اگر ایک ہی لفظ کا تکرار کیا جاتا تو تکرار مثل وظیفہ کے ہو جاتی لیکن اختلاف تعبیرات اور تغیر اسلوب بیان کی صورت میں ذہن کو اس میں پورا خوض کرنیکا شوق ہوتا۔ اور ذہن مخاطب میں وہ مضمون بالکل اُتر جاتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ان علوم پنجگانہ کو قرآن مجید میں کیوں منتشر کیا گیا اور کسی خاص ترتیب کی رعایت نہیں فرمائی مثلاً ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ اول الآراء اللہ کو ذکر کر کے اس کا بیان پورا فرماتے بعد ازاں ایام اللہ کی بحث پوری ذکر کرتے اور اسکے بعد علم مخاصمہ کی تفصیل ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل ہے لیکن اس قسم کے امور کا ادارہ مدار حکمت اور مصلحت پر ہے اور وہ حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مبعوث الہم یعنی عربوں کی زبان اور ان کے اسلوب بیان کیساتھ موافقت کی گئی ہے اور آیت لقاوا العجمی و عربی میں سی طرف اشارہ کیا گیا ہے اہل عرب کے پاس قرآن شریف کے نازل ہونے تک کوئی کتاب نہ آسمانی نہ انسان کی مرتب کی ہوئی موجود تھی اور جو ترتیب ابواب و فصول مصنفین نے اب اختراع کی ہے عرب اس سے ناواقف تھے اگر اس امر کا یقین نہ ہو تو محض قرآن کے قصائد کو بغور دیکھ لو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوبات کو مطالعہ کرو تا کہ یہ مسئلہ اُن کے ذریعے سے تم پر منکشف ہو جائے

پس اگر قرآن شریف کی زبان ان کے اسلوب کجالات ہوتی تو وہ متحیر رہ جاتے۔
اور ایسے کلام کے سننے سے جس سے ان کے کان آشنا نہ تھے انکی عقلیں پریشان
ہو جاتیں، علاوہ ازیں مقصود باری فقط یہ نہیں کہ علم ہو جائے بلکہ یہ مقصود ہے کہ علم استحضار اور
پختگی کیساتھ ہو اور یہ مقصود غیر مرتب سے زیادہ قوت اور کمال کیساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کا وزن و قافیہ جو زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسکو کیوں
اختیار نہیں کیا گیا جواب یہ ہے کہ لذت کی زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن مذاق کے اعتبار
مختلف ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ شعراء کا وزن لذیذ تر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجود یکہ آپ اُمتی تھے ایک عظیم المثال وزن و قافیہ
کی ایجاد آپ کی نبوت کا کھلا ہوا نشان ہے کیونکہ اگر شعراء کے وزن اور قافیہ میں تہنجد
نازل کیا جاتا تو کفار بھی خیال کرتے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو کہ عرب میں مارے
مارے پھرتے ہیں اور ان کو کسی شمار و قطار میں نہ رکھتے نظم و نثر کے بغا بھی اگر
اپنے ہم عصر فہلدار میں اپنے آپکو نمایاں اور ممتاز کسی ظاہر دلیل کیساتھ ثابت کرنا
چاہتے ہیں تو وہ بھی کوئی تازہ زمین یا جدید اسلوب اختراع کرتے اور کہتے ہیں کہ کوئی
ہے کہ ایسی غزل اس زمین میں یا کوئی مراسلہ اس اسلوب میں لکھ سکے، اگر یہ لوگ
اسی پرانی طرز انشاء میں طبع آزمائی کریں تو اس سے انکے اعلیٰ کمال کا ادراک محققین
کے سوا عام طور پر نہیں ہو سکتا۔

اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس وجہ کے اعتبار سے ہے اس کا جواب یہ
ہے کہ ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ اعجاز قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے
بعض بیان کئے جاتے ہیں، اول اسلوب بدیع۔ کیوں کہ عربوں کے پاس غنث
کے چند میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کے گھوڑے کو بگڑٹاڑتے اور ہمسرد
سے بڑھنے کی سعی کرتے تھے۔ وہ میدان قصائد، اور خطبے، اور رسائل

اور محاورات ہیں۔ عرب لوگ ان چار اسلوب کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر قادر تھے البتہ نبی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حالانکہ آپ اُمّی تھے ایک خاص اور صحت از اسلوب کی ایجاد جو کہ ان کی مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے بیشک اعجاز ہو گا، دوم گزشتہ تواریخ اور اہم سابقہ کے احکام کی بغیر پڑھے لکھے ایسی تفصیل بیان کرنا جو کتب سابقہ کی مصدق ہو سوم پیشینگوئیاں اور پیشینگوئیوں میں سے جو واقعہ ظہور پذیر ہو گا اعجاز تازہ ہو گا چہارم بلاغت کا وہ مرتبہ جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے، ہم لوگ چونکہ عرب اول کے بعد میں پیدا ہوئے ہیں اسلئے مرتبہ بلاغت کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے لیکن تناظر و جانچو ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال جس لطافت اور سادگی اور بے تکلفی کیسا تھا جیسا کہ ہم قرآن شریف میں پاؤں ہیں سقہ و تنقید میں اور متاخرین کی کسی قصیدہ میں نہیں پاتے اور یہ ایک جدائی بات ہے جسکو ماہر شعراء ہی جان سکتے ہیں، عوام آسمیں کچھ حصہ نہیں لے سکتے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور مخاصمہ جہاں کہیں معانی کو الفاظ کا دوسرا لباس سورۃ کے اسلوب خاص کے موافق پہناتے ہیں آسمیں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے کہ ہماری عقل کا درست حصہ اس کے ادراک دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

اگر کوئی ہمارے بیان بالا کو نہ سمجھا ہو تو اس کو چاہیے کہ انبیاء کے ان قصوں میں جو کہ سورہ اعراف و ہود و شعراء میں واقع ہیں اول تامل کرے اور پھر انہیں قصوں کو سورہ صافات میں اور بعد از ان ذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرق اسلوب متکشف ہو جائے علی ہذا گناہگاروں کے عذاب اور فرمانبرداروں کے ثواب کو ہر موقع پر ایک خاص رنگ دیا جاتا ہے اور روزخبروں کے جھگڑوں کا جلوہ ہر جگہ زالی صورت میں دکھایا جاتا ہے تفصیل اسکی بہت طویل ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات و کنایات کی رعایت جن کی تفصیل علم معانی و بیان میں ہے اور اس کے ساتھ مخاطبین کی

حالت کی رعایت جو کہ محض ان پڑھ اور اُن فنون سے نا آشنا تھے جس قدر قرآن مجید میں موجود ہے اس سے بہتر مافوق متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ مشہور مخاطبات میں جن سے سب آدنی واقف ہیں چند عام فہم اور خواص پسند نکات دلچسپ رکھی جاویں یہ بات اجتماع نقیضین کی نظر سے ہے۔

زپائے تابسرش ہر کجا کہ مے نگرم
کر شمرہ امین دل میکش کہ جا اینجاست

مبجلہ وجوہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جس کو سوائے ان لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تلبہ اور تفکر کرتے ہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ علوم پنجگانہ ہدایت انسانی کی رو سے خود قرآن شریف کے بجانب اللہ ہونیکے دلیل میں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی طبیب حاذق کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے جس میں امراض کے اسباب علامات اور ادویہ کے خواص کی تحقیقات نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی ہو تو اس باب میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کہ اس کا مؤلف فن طب میں نہایت کامل ہو ایسے ہی اسرار شریعہ کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لئے کیا کیا چیزیں انسان کو تعلیم کی جاسکتی ہیں اسکے بعد اگر علوم پنجگانہ میں وہ غور کریگا تو اس کو بغیر کسی قسم کے شک کے معلوم ہو جائیگا کہ یہ علوم اپنے معانی کے اعتبار سے اس اعلیٰ مرتبہ پر واقع ہوئے ہیں جن پر اضافہ قطعاً محال ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب پچھڑ کر دلالت باید از دے ژمناب

باب چہارم

فنون تفسیر اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے اختلاف فی التفسیر کے حل میں جاننا چاہیے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں۔ ایک جماعت صرف ان آثار

کی روایت پر کمر بستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت یہ طریقہ محدثین کا ہے اور ایک گروہ اسماء و صفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ ان میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہ حق جل و علی شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اسکے ظاہری معنی نہیں لیتو یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات پر وہ کرتے ہیں رد کرتا ہے۔ یہ شان متکلمین کی ہے اور ایک قوم مسائل فقیہہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی اور مخالفت دلیل کا جواب دیتی ہے۔ یہ فقہاء اور اہل اصول کی روش ہے اور ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی، اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب کی نہایت کثرت کیساتھ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحویں اور اہل لغت کی وضع ہے اور ایک گروہ علم معانی اور علم بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے اور بعض لوگ قرآن مجید کی ان قراتوں کو جو آئمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت ایضاح و تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہ قرار کی حالت ہے اور کچھ آدمی علم سلوک یا حقائق کی نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں یہ صوفیوں کی روش ہے الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور اس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اس کے معانی سمجھنے کا ہے اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور نظر رکھا ہے یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت پائی ہے پایاں حاصل کی جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یک جا کرنے کا بھی ہوا ہے۔ اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور ان کے

طول و اختصار میں بھی فرق ہے جس نے علم کو دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ اس فقیر کو
 الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک
 معقول مقدار اس کے فروغ کی معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب
 کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین
 اور فن بھی فیض الہی کے نامتناہی دریا سے انقار ہوئے ہیں۔ اگر سچ پوچھتا ہے تو
 میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روح پر فتوح حضرت رسالت
 مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اویس ہوں اسی طرح کعبہ حسنی سے بے وسیلہ مستفید اور
 صلوٰۃ عظمیٰ سے اثر پذیر ہوں۔ شعر

دلوان لی فی کل بنبت شعرة لانا

لنا را ستوفیت واجب حمده

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرفت سالہ ہذا میں لکھے جا دیں

فصل

ان آثار کے بیان میں جو کتب تفسیر اہل حدیث میں مروی ہیں اور اس کے
 متعلقات کتب تفسیر میں مذکور آثار میں سے بعض آثار اسباب نزول کے بیان
 کے متعلق ہوتے ہیں۔ سبب نزول کی دو قسم ہیں ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا
 جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہو گئی چنانچہ احد و
 احزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل
 فرمائی تاکہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے، اور اس مدح و مذم میں اس
 خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے
 اس واقع کی مختصر تاریخ لکھ دی جائے تاکہ ان آیات کا سیاق پڑھنے والے کو

مشکف ہو جائے، دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کے معنی اس حادثہ کے معلوم کو بغیر ہی جو
 کہ سبب نزول ہو اسے اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں اور اس میں حکم عموم لفظ
 کا معتبر ہے نہ خصوص سبب نزول کا مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کر کے کہ
 اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کر دیا جائے یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا کوئی
 مصداق ذکر کیا جائے اس قصہ (سبب نزول) کو ذکر کیا ہے اس قسم کے قصوں کا
 ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہے کہ حضرات صحابہؓ
 اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل
 ہوئی۔ مگر ان کا مقصود صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض السی مخصوص
 حادثات کا ذکر مقصود ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہے اس سے عام
 ہے کہ وہ واقعہ جس کو انہوں نے سبب نزول کہا ہے نزول آیت سے مقدم ہو یا مؤخر
 اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی۔ آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو واللہ اعلم۔
 ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی اس سبب نزول میں کچھ دخل ہے
 اور اسباب نزول میں متعدد قصوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے جس شخص کو یہ نکتہ
 محفوظ ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسباب نزول کا حل ادنیٰ تا مل اور تھوڑی توجہ سے کر سکتا ہے
 اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ کسی ایسے قصہ کی تفصیل کی جائے جس کی طرف نظم آیت
 میں کوئی اشارہ موجود ہے اس صورت میں مفسرین رحمہم اللہ کا قصہ یہ ہوتا ہے کہ اخبار
 بنی اسرائیل یا سیر و تواریخ سے اس قصہ کو مع اس کی جملہ خصوصیات کے ذکر کریں
 اس موقع پر ایک اور بھی تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی قصہ ایسا ہو جسکی طرف آیت
 کے ظاہر الفاظ میں ایسا اشارہ ہے کہ زبان کا جاننے والا اس پر آکر رُک جاتا اور اسکی
 تلاش کرنے لگتا ہے تو ایسے واقعات کا بیان کرنا مفسرین کا فرض ہے اور جو قصہ
 اس قسم سے خارج ہے مثلاً بنی اسرائیل کی گائے کا حال کہ بھتی یا ماڈیا صاحب کبف کے کتے

کی رنگتیں کہ وہ چٹلا تھا یا سرخ یہ امور بے فائدہ تکلفات ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اسی
 بھٹوں کو مکروہ جانتے اور تضرع اوقات خیال فرماتے تھے، یہاں پر دو نکتہ یاد رکھنے کے
 قابل ہیں اول یہ کہ واقعات کی نقل میں قاعدہ یہ ہے کہ ان کو جیسا سنا ہے بغیر عقلی تصرف
 کے بیان کیا جائے۔ مگر متقدمین مفسرین کی ایک جماعت اس تفسیر کو اپنا پیشوا بناتی
 اور اس کا کوئی مناسب محل فرض کر کے برنگ احتمال اسکی تقریر کرتی ہے جس کی وجہ سے
 متاخرین کو اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اُس وقت تقریر کے اسلوب زمانہ حال کے
 موافق منع نہیں ہوئے تھے، اکثر ایسا ہونا ممکن ہے کہ تقریر علی سبیل الاحتمال تقریر بالجزم
 کیساتھ مشتبہ ہو جائے یا ایک کو دوسری جگہ اختیار کر لیا جائے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے،
 عقل لگانے کی اس میں گنجائش اور قیل و قال کا وسیع میدان ہے اگر کوئی اس نکتہ
 کو یاد رکھے تو وہ بہت مقامات پر مفسرین کے اختلافات کا فیصلہ کر سکتا ہے، اور نیز
 بیشتر مناظرات صحابہ کے متعلق معلوم کر سکتا ہے کہ وہ ان کا مذہب نہیں ہے ایک
 علمی تفتیش ہے جس کو بعض مجتہدین دوسرے مجتہدین سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت
 ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو آیت فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین میں فقیر
 اسی پر حمل کرتا جو یہ ہے لا اجدنی کتاب اللہ الا مسح لکھنم ابوا الا الغسل مجھ کو تو کلام
 اللہ میں پیروں کا مسح ہی ملتا ہے مگر لوگ اس سے دھونا ہی سمجھتے ہیں) قول ابن
 عباس کا مطلب فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ یہاں پر وہ مسح کی فرضیت کی طرف نہیں
 گئے کہ وہ آیت کو مسح کی رکنیت پر حمل کرنے کا یقین رکھتے ہوں۔ حضرت عباس
 کا مذہب بھی وضو میں پیرو ہونے کا ہی ہے۔ لیکن یہاں وہ ایک اشکال کو بیان اور
 ایک احتمال کی تقریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں علماء زمانہ اس تعارض کی تطبیق میں کوئی راہ
 اختیار کرنے میں لیکن جو لوگ سلف کے روزمرہ سے واقفیت نہیں رکھتے انہوں نے
 اس کو ابن عباس کا قول سمجھ کر ان کا مذہب قرار دے لیا حاشا وکلاً۔

دوسرے نکتہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے ذہن میں داخل ہو گئی ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ ان کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جب تک تعریف کلام اللہ کا بیان حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دستیاب ہو سکے بنی اسرائیل سے نقل نہ کرنا چاہیئے۔ ولقد فتنا سلیمان والیقینا علی کریم جسد اثم انا کا محل جب کہ حدیث نبوی میں انشاء اللہ کے ترک کرنے اور اسپر مواخذہ ہونیکا قصہ پایا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہے جو منکرہ کا قصہ ذکر کیا جائے دوسرے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ضروری امر اپنی حد ضرورت تک ہی محدود رہتا ہے اس لئے اقتضائے تعریف کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا چاہئے تاکہ اس کی تصدیق ہم قرآنی شہادت سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو رد کرنا چاہیئے یہاں پر ایک نہایت لطیف نکتہ بھی ہے اس کو ضرور سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں کسی مقام پر ایک قصہ کو مجملاً بیان کیا جاتا ہے اور کسی جگہ مفصلاً جیسا کہ اول یہ فرمایا تھا لانی

اعلم ما لا تعلمون۔ اور پھر یہ فرمایا الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما بہدون و ما کنتم تکتفون، یہ بیان دراصل وہی سابق بیان ایک قسم کی تفصیل کیساتھ ہے اس لئے اس تفصیل سے اجمالی سابق کی تفسیر کر سکتے ہیں اور اس اجمال سے تفصیل کا پتہ لگا سکتے ہیں، مثلاً سورہ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا گیا رد و لنجحد آیتہ للناس ورحمۃ منا وکان امرامقضیا اور آل عمران میں مفصل طور پر رسول الی بنی اسرائیل انی قد جئکم الایہ، اس مقولہ میں تفصیلی بشارت ہے، اور پہلا بیان بشارت اجمالی۔ اس لئے بندہ ضعیف نے اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں کہ رسول الی بنی اسرائیل مجھ پر بانی فتد جئکم، اور یہ تمام مضمون بشارت کے ذیل میں داخل ہے کسی محذوف کے متعلق نہیں جیسے علامہ سیوطی نے اس طرف عبارت ذیل میں اشارہ کیا ہے فلما بعث اللہ تالانی رسول اللہ الیکم بانی قد جئکم۔ واللہ اعلم

اور اس میں ایک شرح غریب ہے جس کی بنا پر یا تو لغت عرب کے تتبع پر ہو اور یا آیت کے سیاق و سباق فہم اور لفظ کی اس مناسبت کو علم پر ہو چونکہ اسکو اپنے جملہ کے اجزاء کے ساتھ حاصل ہوا ہے اس لئے اس مقام پر بھی عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہو کیونکہ ایک کلمہ زبان عرب میں متفرق معانی کیلئے آتا ہے اور استعمالات عرب کے تتبع اور سابق و لاحق کی مناسبت کے فہم میں عقول مختلف ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے جس سے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال باہم مختلف ہو گئے ہیں، ایک منصف مفسر کو شرح غریب کے دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہیئے۔ ایک استعمال عرب پر کہ اس کے اعتبار سے کوئی صورت اقویٰ ہو اور دوسرے لاحق و سابق کی مناسبت پر کہ کوئی جہت راجح ہو فقیر نے اصول موضوعہ تفسیر کے انضباط اور مقامات استعمال کی چھان بین اور احادیث کی پوری دیکھ بھال کے بعد شرح غریب کے متعلق ایسے تازہ استنباط کئے ہیں جن کا لطف بجز بے انصاف اور نا فہم کے کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ مثلاً کتب علیکم القصاص فی القتل کی کوئی قتل کے معنی اور ایک دوسرے کے حکم میں

اس جہد رائے اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قصاص یعنی قود اور قتل یعنی قاتلین مقتولین ہیں، قاتلوں کو باعتبار یا قلوں کے مقتولین میں شامل کر لیا گیا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ بالانثیٰ کی توجہ علیٰ الذمت تھی مگر شاہ جہاں نے جو توجہ اس آیت کی فرائی دہ نہا لطیف در بالکل نئی ہے۔ ان کے نزدیک قصاص کے معنی برابری اور مماثلت قود اور ذمت اور جراحات میں اور قتل کے معنی محض مقتولین کے قاتل ان کے ساتھ شریک نہیں اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ مقتولوں کے باب میں مماثلت برابری کا اعتبار کر دو اس طرح کہ مقتولین اگر وہوں میں تقسیم کو جادیں باعتبار آزادی اور غلامی اور مذکر اور مؤنث ہونیکے اور ہر گروہ کا ہر ایک فرد دوسرے فرد کے برابر ہو اور ان میں صفا خاصہ ملا برائی چھٹائی امیری وغیرہ شرافت اور دو کا اعتبار نہ ہو گا پس آیت کے معنی یہ ہو کہ ہر جزو برابر ہو دوسرے جزو کے اسکا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ بعد جزو کے برابر نہیں ہے اور قود میں جہو کا یہی مذہب ہے اور دیانت جراحات میں متفق علیہ ہر انشی برابر ہو دوسرے انشی کا اسکا مفہوم یہ نکلا کہ عورت مرد کے برابر نہیں اور دیانت میں تمام علماء کا اور جراحات میں ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔

شرکت پر حمل کیا جائے تاکہ الانشی بالانشی کے معنی سمجھنے میں نسخ کا قائل و راسی توجہ بہات
 کا مرتکب نہ ہونا پڑے جو ادنی تامل سے ساقط ہو جاتے ہوں اور مثلاً یسکونک عن
 الابلہ کو یسکونک عن الاستہر کے معنی پر حمل کیا جائے، یعنی سوال شہرج کی نسبت کیا
 گیا تھا جس کا جواب ہی مواقیت للناس وارجح دیا گیا۔ اور مثلاً ہو الذی اخرج الذین کفروا
 من اہل الکتاب من دیار ہم لاول المحشر کے معنی لاول جمع الجنود اس لئے کئے جاتے
 ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے و البعث فی المدائن حاشترین اور وحشر سلیمان جنودہ یہ معنی
 قصہ بنی نضیر کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ چسپاں معلوم ہوتے ہیں۔ اور بیان احسان
 میں اقوی۔

بعض ان میں سے بیان ناسخ و منسوخ ہے۔ اس مقام پر دو نکتے یاد کرنے کے قابل
 ہیں، ایک یہ کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم نسخ کا استعمال اصولیوں کو اصطلاح
 کے علاوہ دوسرے ایسے معنی پر فرماتے تھے جو کہ لغوی معنی یعنی ازالہ کے قریب
 تر ہے، بدینوہان کے نزدیک نسخ کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی آیت کے بعض اوصاف
 کا ازالہ بعد کی آیت سے عام ہے کہ وہ انتہائے عمل ہو۔ یا معنی متبادر کا غیر متبادر کی
 جانب کلام کا انصراف یا کسی قید کے زائد ہونے کا بیان ہو، یا عام کی تخصیص یا اس
 امر کا اظہار ہو کہ نصوص اور اس میں جو کہ اس ظاہر اقیاس کر لیا گیا ہے بہت فرق ہو وغیرہ
 وغیرہ یہ ایک وسیع بحث ہے جس میں عقل کے لئے میدان اور اختلاف کو پوری گنجائش ہے۔
 اس لئے ان حضرات نے آیات منسوخہ کی تعداد یا پنجہ تک بڑھا دی ہے، دوسرا یہ کہ
 اصطلاحی نسخ کے بیان میں اصل یہ ہے کہ نزول آیات کا زمانہ معلوم ہو مگر کبھی سلف
 صالح کے اجماع یا جمہور کے اتفاق کو علامت نسخ قائم کر کے اسکے قائل ہو جاتی ہیں
 بہت فقہاء اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ مصداق آیت
 مصداق اجماع کے مخالفت ہو۔ الحاصل وہ آثار جو نسخ سے بنی ہیں بہت مشتبہ ہیں

اور ان میں معاملہ کی تہ کو پہنچنا سخت دشوار ہے، اور محدثین کے پاس ان اقسام کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کا مناظرہ کسی مسئلہ میں اور اس میں ایک خاص آیت کا استشہاد۔ یا ان کی تمثیل کسی آیت کے ذکر سے یا تلاوت فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استشہاد کے طور پر اور کسی ایسی حدیث کی روایت جو آیت کے اصل معنی میں موافق ہو۔ یا تلفظ کا وہ طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہو۔

فصل دوم

اس باب کے باقی لطائف کے بیان میں

مبغملہ لطائف کے ایک مسائل کا استنباط ہو۔ استنباط مسائل کا باب نہایت درجہ وسیع ہے اور آیات کے نحوی اور ایما اور اقتضات علم میں عقل کے لئے میدان وسیع اور اختلاف کی پوری گنجائش حاصل ہے ان استنباطات کا حصر دس اقسام میں اور ان کی ترتیب اس فقیر کے قلب پر القاء کی گئی ہے جو کہ بہت سے احکام مستنبط کی جاپرخ پر تال کے لئے نہایت سچا کانٹا ہو اور مبغملہ ان کے ایک توجیہ ہے اور توجیہ ایک ایسا فن ہے جس میں بکثرت شاخیں ہیں اور جسکو شارحین متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں اور اس میں ان کی ذکاوت اور جودت ذہن کا امتحان ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے حالانکہ ان کے زمانہ میں قوانین توجیہ کی تنقیح نہونے پائی تھی قرآن مجید کی توجیہ بکثرت فرمائی ہے۔ توجیہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اگر مصنف کے کلام میں شارح کو کوئی ایسی دشواری نظر آئے تو وہ اس پر رک جائے اس صوبت کو حل کر دے اور چونکہ کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن یکساں نہیں ہوتے اس لئے توجیہ کے

مراتب بھی یکساں نہیں ہیں مبتدیوں کے لئے توجیہ اور ہر اور منتہیوں کیلئے اور بسا اوقات کوئی صوبہ منتہی کی سمجھ میں ایسی آتی ہے کہ وہ اسکے حل کا محتاج ہوتا ہے اور مبتدی اس سے غافل ہوتا ہے بلکہ وہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتی، اور میرا ان کلام مبتدی پر دشوار ہوتا ہے نہ کہ منتہی پر۔ مگر چونکہ شارح کا مقصود اذہان کے تمام انواع کا احاطہ ہوتا ہے اس لئے عام پڑھنے والوں کے حال کو اختیار کرتا اور ان کی سمجھ کے موافق کلام کرتا ہے اس لئے آیات مخاصمہ میں عمدہ توجیہ ان فرقوں کے مذاہب کا بیان اور وجہ الزام کی تنقیح ہے۔ اور آیات احکام میں صورت مسئلہ کی تصویر کھینچنا۔ اور قیود کے فوائد احتراز وغیرہ کو بیان کرنا ہے۔ اور آیات تذکیر بالارشد میں نعمات الہیہ کی تصویر اور ان کے خاص خاص مواضع کا بیان ہے۔ اور آیات تذکیر بایام اللہ میں قصوں کی باہمی ترتیب اور اس تعریف کی توضیح کرنا جو کہ قصہ میں مذکور ہوتی ہے اور موت اور ما بعد موت کی تذکیر میں اس وقت کی تصویر اور اس وقت کے حالات کا بیان ہے، فنون توجیہ میں یہ بھی داخل ہے کہ جو امر نامانوس ہو نیکی وجہ سے بعید الفہم ہے اسکو قریب الفہم کیا جائے اور نیز دو دلیلوں یا دو تعریفوں یا معقول و منقول کے درمیان سے تعارض اٹھایا جائے، اور دو مشتبہ چیزوں میں فرق اور دو مختلف باتوں میں تطبیق دیجائے۔ اور آیت میں جس وعدہ کی جانب اشارہ ہو اس کی صداقت کا اظہار کیا جائے اور جو امر قرآن شریف میں ہوا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کا بیان ہو۔ الحاصل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں توجیہ کا حصہ بہت ہے۔ اور السیو مقام صعب کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اول اس کی دشواری کی وجہ کو تفصیلاً نہ بیان کیا جائے۔ اور اسکے بعد اس دشواری کے حل کو مفصل لکھا جائے اور پھر ان اقوال کی باہمی جانچ کی جاوے اور متشابہات کی تاویل۔ صفا بار تعالیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے میں متکلمین جس قدر مبالغہ کرتے ہیں وہ میرا مذہب نہیں ہے۔

میرا مذہب وہ ہے جو امام مالک امام ثوری اور ابن مبارک اور تمام قدما رکاز مذہب ہے
یہ امر بظاہر متشابہات میں داخل ہو اور اسکی تاویل میں مبالغہ و خوض کرنا متروک، اور
احکام مستنطہ میں نزاع۔ اور اپنے اپنے مذہب کا استحکام اور دوسرے مذہب کا ابطال
اور قرآن مجید کے دلائل کے دفع کرنے میں حیلہ سازی یہ تمام باتیں میرے نزدیک
صحیح نہیں ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ تدار باقرآن کے قبیل سے نہ ہو، عالم کو چاہیے کہ
وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اسی کو اپنا مذہب قرار دے، خواہ وہ اسکے
مذہب سابق کے موافق ہو یا مخالف لیکن لغت قرآنی کو عرب اول کے استعمالات
سے لینا چاہیے اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا
چاہیے اور قرآن شریف کے نحو میں ایک عجیب فساد پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ
ایک جماعت مفسرین نے مذہب سبویہ اختیار کیا ہے اسلئے کلام اللہ میں جو استعمال
انکو اسکے مذہب کے خلاف ملتا ہو اسکی تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو
اور یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، عالم کو چاہیے کہ وہ اس امر کا اتباع کرے جو سیاق
سباق کے موافق اور زیادہ قوی ہو خواہ سبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔ اور المقیمین الصلوٰۃ

والموتون الزکوٰۃ کی امثال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ستقیمہا العرب
بالسنتہما اور فقیر کے نزدیک کلمہ ہذا کی یہ تحقیق ہے کہ مشہور محاورہ کے مخالف محاورہ بھی
محاورہ ہی ہوتا ہے۔ اور عرب اول اپنے خطاب میں بکثرت ایسے محاورات استعمال
کرتے تھے جو کہ مشہور قواعد کے مخالف ہوتے تھے، اور چونکہ کلام اللہ عرب اول کی زبان میں
نازل ہوا اس لئے اگر کسی جگہ داؤ کی جگہ یا اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مؤنث
آجائے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں اسلئے جو بات محقق ہو وہ یہ ہے کہ ترجمہ المقیمین
الصلوٰۃ حالت رفقی کے اعتبار سے کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

علم معانی و بیان ایک ایسا علم ہے جو کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے بدنیہ جو اس کے جو مسائل جمہور عرب کے
 عرف کے موافق سمجھ میں آئیں علی الراس والعین، اور جو ایسے دقیق امور ہیں کہ ان
 افنون میں گہری معلومات رکھنے والے کے سوا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتے انکی نسبت ہم
 تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کلام اللہ میں بھی مطلوب ہیں اور صوفیائے کرام کے اشارات
 و اعتبارات درحقیقت علم تفسیر کا جز نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے سننے کی وقت
 بعض باتیں سالک کے قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن مجید اور اس حال سے جو تک
 پرطاری ہوتا ہے یا اس معرفت سے جو اسکو حاصل ہوتی ہے پیدا ہوتی ہیں اسکی مثال
 ہے کہ کوئی عاشق یلی دمنوں کا قصہ سنے اور اسکی وجہ سے وہ اپنی محبوبہ کو یاد کرے اور
 نیز اسکے ان واقعات کی تصویر جو محبوبہ کے ساتھ گزر چکی ہیں اسکی نظروں کے سامنے
 کھنچ جائے۔ یہاں ایک مہتمم بالشان فائدہ ہوا اسکو جان لینا چاہیو وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے تعبیر رویا کے فن کو معتبر قرار دیا ہوا اور اس راہ کو خود چل کر دکھایا ہوتا کہ تعبیر رویا
 امت کی سنت نبوی بنجائے اور ان پر وہی علوم میں سے ایک دوسری راہ کا دروازہ
 کھل جائے مثلاً آیت فاما من اعطی واقعی مسئلہ تقدیر کی تمثیل میں بیان کیا جاتا ہے اگرچہ آیت
 کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے یہ فعال کئے اسکو جنت کی بے بہا نعمتیں عطا کیجاوینگی، اور
 جو انکے خلاف کا مرتکب ہوگا اس پر دوزخ اور عذاب کا دروازہ کھولا جاوے گا۔ لیکن فن
 تعبیر کی راہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر ایک شخص کو ایک ایسی مخصوص حالت کیلئے پیدا فرمایا ہے
 اور وہ حالت اسپرطاری ہوتی ہے خواہ وہ واقف نہ ہوتا ہو۔ اسلئے اس آیت کو تقدیر کے
 مسئلہ سے ربط ہو گیا علی ہذا آیت نفس ماسواہا فالہمہا فجور ہا وتقوہا کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ
 نے ہر شخص کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمایا لیکن نیکی اور بدی کی صورت علیہ کے پیدا کر نیکی کو نفع
 روح کے وقت ان کو اجمالاً پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے بذریعہ اعتبار کے
 اس آیت سے مسئلہ تقدیر میں فصل کر سکتے ہیں واللہ اعلم۔

فصل

غرائب قرآنی جن کو احادیث میں مزید اہتمام اور فضیلت سے خاص کیا گیا ہے ان کے چند انواع ہیں۔ تذکیر بالار اللہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہو جیسے آیتہ الکرسی۔ سورہ اخلاص اور سورہ حشر کی آخر کی آیتیں۔ اور سورہ مومن کی اول کی۔ اور تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہوگی جس میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا جائے یا کسی معلوم قصہ کو ان کی پوری تفصیل سے ذکر کیا جائے یا کسی ایسے بہت مفید واقعہ کو جس میں حصول عبرت کے متعدد پہلو ہوں ذکر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کی ہمراہی کے قصہ میں فرمایا کہ میری آرزو تھی کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ اور زیادہ صبر کرتے تاکہ خدا تعالیٰ ہم سے اس قصہ کو اور زیادہ ذکر فرماتا، اور تذکیر بالموت اور بالبعد الموت کے فن میں غریب وہ آیت ہے جو کہ حالات قیامت کے لئے جامع ہو، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزو مند ہو اس کا ہر دو کہ وہ سورہ اذا الشمس کو رت کو پڑھے اور فن احکام میں غریب ایسی آیت ہے کہ جو حدود کے بیان اور وضع خاص کی تعیین کو شامل ہو مثلاً حد زنا میں سو ڈرے کی تعیین اور تین حیض اور تین طہر کی تخصیص مطلقہ کی عدت میں اور میراث کو حصول کی تعیین۔ اور فن مخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں جواب ایسے عجیب غریب سلوب پر بیان کیا جائے جو کہ شبہ کو نہایت کامل طریقہ سے اٹھا دے، اور یا کہ اس میں فریق مقابل کے حال کو ایک واضح مثال کے ساتھ بیان کیا جائے مثلاً الذی استوقد ناراً علی ہذا بت پرستی کی قباحت اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے مراتب کا ذوق عجیب اشلہ سے بیان کیا جائے۔ یا ریاکاروں اور طالبان شہرت کے اعمال کی ضبطی کو

بلغ اسلوب کے ساتھ بیان کیا جائے، غرائبِ قرآنی انہیں ابوابِ مذکورہ میں محصور نہیں ہیں بسا اوقات غرائبِ کلام کی بلاغت اور اسلوب کی شیرینی سے بھی پیدا ہوتی ہے، مثلاً سورۃ الرحمن، یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حدیث میں عروسِ قرآن رکھا گیا ہے اور کبھی غرائبِ شقی اور سعید کے باہمی فرق کی تصویر کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: کل آیت منہا ظہر و بطن و کل حد مطلق قرآن شریف کی ہر ایک آیت کیلئے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہیں، اور ہر ایک حد کیلئے جھانکنے کی جگہ ہے (جاننا چاہیے کہ ان علوم پنجگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور باطن علم تذکیر بالاربابہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کیا جائے۔ اور صحیحہ مراقبہ اور علم تذکیر بایام اللہ میں ان قصوں سے مدح و ذم اور عذاب و ثواب کے موقوف علیہ کی پہچان ہے، اور نصیحت حاصل کرنا اور فن تذکیر بالجنتہ والنار میں میذہم کا ظہور اور ان امور کو چشم وید کیفیت تک پہنچانا اور احکام کی آیتوں میں ان کی مخولے سے باریک و خفی احکام کا استنباط اور گمراہ فرقوں سے مباحثہ میں ان مباحثوں کی اصل کی پہچان اور نیران کے ساتھ انکے دوسری قباحتوں کو شامل کرنا کلام اللہ کے ظاہر کی اطلاع زبان عرب اور ان آثار کے علم سے ہوتی ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے اور اس کے ذہن کی لطافت اور استقامت اور نور باطن اور حالت سکنت سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

علم تفسیر کے اُن وہی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا انبیاء علیہم السلام

۱۵ و مطلع کل حد الاستعداد الذی بہ تحصیل معرفۃ اللسان والآثار و لطافت الذہن جہ استقامت

نہم ۱۲۔ حجۃ اللہ لبالغہ ص ۱۳۵

کے قصوں کی تاویل بھی ہے، فقیر نے اس فن کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے
 نام سے تالیف کیا ہے اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جن مانہ میں جو تدبیر
 چاہی ہو اسکی رو سے ہر ایسے قصہ کیلئے جو اسوقت واقع ہوا ہو ایک مبدع پیغمبر اور اسکی
 قوم کی استعداد سے ہوتا ہے اور گویا انہی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا،
 وَلَعَلَّكُمْ مِنْ تَاوِيلِ الْاَحَادِيثِ، دوسرے علوم پنجگانہ کی تنقیح میں درحقیقت کلام اللہ منطوق
 وہی ہیں مفصل بیان اس رسالہ کے شروع میں گزر چکا ہے اسکی طرف رجوع کرنا
 چاہیئے اس کے علاوہ کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ اس طریقہ سے کہ وہ مقدار
 اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے یہ کام ہم نے فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن
 میں کیا ہے، اگرچہ بعض مقامات میں ہم نے ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے بلا کسی تفصیل
 کے اس شرط کو ترک کر دیا ہے، یا ماسوا اس کے خواص قرآنی کا علم ہی متقدمین نے
 کلام اللہ کے خواص میں دو طرح پر کلام کیا ہے، ایک تو دوا کے مشابہ اور دوسرے سحر
 کے مشابہ استغفر اللہ منہ۔ مگر فقیر پر خواص منقول کے علاوہ ایک جدید دروازہ کھولا گیا
 ہے، حضرت حق جل شانہ نے ایک مرتبہ اسماء حسنیٰ اور آیات عظمیٰ اور ادعیہ متبرکہ کو
 میری گود میں رکھ کر فرمایا کہ نصرت عام کے لئے یہ ہمارا عطیہ ہے لیکن ہر ایک آیت
 اور اسم اور دعا ایسی شرائط کے ساتھ مشروط ہے جو کسی قاعدہ میں سما نہیں سکتیں بلکہ
 اس کا قاعدہ اصلی عالم غیب کی طرف سے اشارہ کا انتظار ہوتا ہے جیسا کہ حالت
 استخارہ میں ہوتا ہو حتیٰ کہ عالم غیب سے کسی خاص آیت یا اسم کا اشارہ ہو جاتا ہے
 اس آیت یا اسم کو اسی طور پر تملادت کرنا چاہیئے جیسا کہ اس فن والوں کے نزدیک
 معتبر ہے۔

یہ ہیں وہ مضامین جن کے بیان کا اس رسالہ میں ہم نے قصد کیا تھا
 والحمد للہ الاولاد آخر ادنا ہر ادنا باطنار۔ تمت بالخیر۔